

26	کم حوصلہ فرد کے لئے نفس پرستی کی ہر لبر اور ہر طغیانی میں مگر مچھوں کا پوشیدہ ہونا
27	ایسی زندگی جس میں دوسروں کی محنت پر تکبیہ ہو، وہ عذاب سے کم نہیں
29	مٹی ہو کر سورج کی شعاؤں سے اخذ فیض کرنا، دل کے لئے باعث سبق ہونا
29	میرے دل کا جسم اور روح کا راز دا ان ہونا
30	زندگی، ماں، حال اور مستقل کا حاصل، آرزوئے عشق اور درد عشق میں وقت کا صرف ہونا
31	انسان کی کہانی، توں کو تراشتہ رہنا اور ان کی پر ستش کرتے رہنا
32	اپنی دنیا، خود آباد کرنے کی ضرورت
32	ہر لمحے سے ہماری ابدی زندگی کا نقش وابستہ ہونا
33	غلامی کی عادت نے پتھروں کے سامنے سجدہ رین ہونے کے مزاج کا پختہ کرنا
34	حیات دوام نام ہے، عشق میں جلتے رہنے اور بے تابی مسلسل کا
34	میں سراپا سوز آتش ہوں
35	دل کے آئینہ میں کائنات کے نقش و نگار کا صاف نظر آنا
36	درد عشق سے خالی زندگی کا خس و خاشاک کی طرح ہونا
37	میرے کلام کا عشق کا شمرہ اور نتیجہ ہونا
38	سامنے توں کا عشق سے عاری توں کے حوالے ہونے سے بروجہر میں فساد کا پیدا ہونا
39	تمہاری پرواز میں فرشتوں کی شان کا پوشیدہ ہونا
40	صاحبِ دل کی باتوں کو دل کے کانوں سے سننے کے اثرات
41	عشق سے خالی کتابوں کا بے اثر ہونا

فہرست مضمایں

9	تعارف
12	اقبال کا فلسفہ خودشناصی
14	میرا پیام سینہ کو سوز عشق سے گرمانا
15	عالم اسلام سے سوز عشق کا رخصت ہو جانا
16	حقیقی علم کا خیر و عمل کی حامل شخصیتوں کے سینہ سے حاصل ہونا
17	فرد کی ساری کائنات کا دل کے اندر موجود ہونا
17	مسلمانوں کے لئے میرے دل میں ایک راز کا موجود ہونا
18	عشق سے زندگی کو دوام کا حاصل ہونا
19	جان کی پروادہ کے بغیر آتش عشق میں کوڈپڑنا
20	خودی کے استحکام کے بعد الہی مقاصد کے لئے جدوجہد تیز کرنا
20	مادے پر جو ہر کو غالب کرنے کے عرصہ تک مجاہدوں سے کام لینا
21	خودشناصی اور اللہشناصی کے بعد جسمانی موت کے باوجود حقیقی موت کا طاری نہ ہونا
22	دل کی صلاحیتوں کی بیداری سے قرآنی آیات کے مفہوم کا آشکار ہونا
23	ملت کے نام نہاد بھی خواہوں کی حالت زار پر خون کے آنسو بہانا
24	اگر حیات جاوہاں چاہتے ہو تو سوز عشق کے کچھ اجزاء حاصل کرو
25	نفس کی سرکش طاقتوں سے مقابلہ کے بغیر بقا حصول ممکن نہیں
26	دل کو ہر طرح کے وسوسوں سے خالی کر کے را عشق میں مستقل چلتے رہو

42	عشق سے زندگی کی پرواز کا بلند ہونا
42	دل کے عشق کے سوز سے سرشار ہونے سے اشعار کا وجود میں آنا اور محبوب کے سوز سے بے تاب ہونا
43	میں پرداہ ہوں اور عشق کی تپش میں جل رہا ہوں
44	اندر سے حاصل ہونے والی روشنی سے راستہ کی نشاندہی کا ہونا
45	عشق سے روح کا مادی دنیا سے بلند ہو جانا
46	عشق ہی میری کل متعہ ہے، عشق کی وجہ سے صوفی نام کا لقب ملنا میرے لئے سعادت ہے
46	محبوب کے لئے حالت گریہ اور سوز و گداز کے بغیر علم کا لا حاصل ہونا
47	نفس اور مادی دنیا کے شکاریوں سے پناہ مانگنا
48	بے قراری کے انگاروں سے گزرے بغیر حالت فنا و حالت بقا حاصل بنا نہیں ہو سکتی
48	دانے کا مٹی سے ہی پھول بن کر ظاہر ہونا
49	عاشق کے وجود کا طغیانی سے ہی قائم رہنا
50	ہر ملک ہمارا اپناملک ہی تو ہے، اللہ کی دنیا ہماری دنیا ہی تو ہے
51	شیطان کی طرف سے ہر مراجحت سے بندہ مؤمن کی تو انائیوں میں اضافہ ہونا
51	ہماری محفل میں آکر ججیوں کی داستانِ غم بھی سناؤ
52	حرص و ہوس کے چباریوں کے سامنے عشق کی بات نہ کرنے کی تاکید کرنا
52	دولوں سے عشق کے نقش کو مٹانے سے ہماری اجتماعی زندگی پر ہونے والے اثرات
53	خود شناس فرد کا اپنی خودی میں ڈوب کر زندگی گذارنا
54	محبوب کی لذت پر واز کا ایک جگہ آرام سے رہنے والا دینا

54	میں جمشید کے تخت و تاج کے مقابلہ میں جگر کی ایک آہ دینے کے لئے تیار نہیں
55	خارجی بتوں سے مقابلہ آسان ہے، جب کہ داخلی بتوں کا مقابلہ دشوار تر ہے
56	عشق میں عقل کے جوہر کے ساتھ حکمت و فراست کا موجود ہونا
56	عشق کی وجہ سے سارے بتوں کو توڑ پھوڑ دینا
57	عشق کی دولت سے بہرہ دوری سے میری گفتار میں دنائی کے اجزاء کا شامل ہونا
58	مجاہدوں سے حاصل ہونے والی تو انائی کو اسلامیت کے تحفظ کے کاموں میں صرف کرنا
59	آئیں تو آج دلبروں کی بزم میں نعرہ مستانہ اور غلغله بلند کریں
60	نفس کے مگر مجھ سے مقابلہ کی داستان سنانا
61	اے مطرب، مرشدروں کا کوئی غزل سنائے ہے تاکہ میری روح اور دل نہیں تیریز کی آتش عشق میں غوطہ زن ہو
61	مالداروں کے احسان سے شریف فرد کا دامن شرافت تارتار ہونا
62	میں اللہ کی محبت کارا ہی ہوں
63	آتش عشق میں جل کر پختہ ہونے والی عارف شخصیت کا میرے لئے دنیا جہاں سے افضل ہونا
64	نغمہ عشق کو بلند آہنگی سے پیش کرنے کا کام سپرد ہونا
64	دولت کے بت خانے کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے بچنے کی صورت
65	مسلمانوں کے سینے میں موجود دل کی اہمیت اور اس کی قدر شناسی کی ضرورت
66	دوسروں کے پروں سے پرواز کی روشن سے بچنے کی تاکید
66	میرے لئے حالت فراق کا بہتر ہونا، اس لئے کہ اس سے بے تابی میں اضافہ ہوتا ہے
67	کبھی میرے غم کدھ میں آکر بد نصیب مسلمان کی حالت کا مشاہدہ کرو

81	فلسفہ اور وحی کی رہنمائی
81	اللیات کے حامل فلاسفہ اور مادی فلاسفہ
81	علامہ اقبال کے فکر و فلسفہ کی نوعیت
82	ریاستی نظام کی تشکیل کے بارے میں اقبال کی رہنمائی
83	اقبال کی شخصیت کی ہمہ جہتی
84	مذہب سے خالی فلسفہ کے اثرات
84	فکری جمود اور اجتہاد سے غفلت کے نتائج
85	مذہب کی اہمیت
85	انسان کی اہمیت
86	مطالعہ تاریخ کی اہمیت
86	مذہب، زندگی کی اعلیٰ سطح کا ذریعہ
86	مذہب کی تجرباتی اور محسوساتی سائنس
87	جدید سائنس کی ناکامی
87	انسان کے باطن میں موجود غیر معمولی قوتوں کی نشاندہی
88	مذہب کا مقصد
89	خیر اور شر کی باطنی قوتوں کے درمیان تکرارہ
90	فلسفہ، ادب عالیہ کا ذریعہ اور اس کا حدود کار

68	اقبال کی محفل میں بلا جواب اندر چلے آئے، وہ قلندری کے سارے رازوں سے آشنا ہے
68	حقیقی عشق کی بات کرتے وقت کسی ہمراز کے نہ ملنے کے المیہ کا ہونا
69	ہمارے وجود کا عشق کے شعلہ حیات سے وابستہ ہونا
70	ہم خاکیوں کا ہوا کے دوش پر سواری کرنا
70	مسلمانوں کو باطل قوتوں کو سرنگوں کرنے کی تاکید
71	اندر میں ڈوب کر اندر کے بتوں سے نجات کی فکر کا ہونانا گزیر ہے
71	اپنی باطنی آنکھ سے اپنی زندگی کا جائزہ لینا
72	اللہ کی محبت کے بیچ کے حامل فرد کی غیر معمولی قوت
73	عشق کی روائی سے قائم زندگی کا دامّ اور قائم رہنا
73	فلسفہ کا عقل ہی کو حق کی کسوٹی سمجھنا
74	اے عقل، دل کی معرفت کے نکات اور مسائل کے بارے میں اس کی حکیمانہ باتوں کو سامنے لاوے
75	عاشقوں کی بزم غم، ان کا نفرہ متنانہ اور ان کی صدائوں کی اہمیت
76	دریائے نفس میں مگر مچھوں کے وجود کا موجود ہونا
77	ذہنی غلامی سے موت کا بہتر ہونا
78	دل کو حسد و کینہ سے بھرنا ہر گز زیبانیں
78	گلاب سے پھول چننے وقت کا نٹے کی ضرب پر چنچ پکارنے کرنا
80	فکر اقبال کا مطالعہ
80	فلسفہ اور فطرت سلیمان

تعارف

اقبال نے اپنے کلام کے ذریعہ مسلم امت کی بیداری، اس کی نشانہ نانیہ، آزادی کی تحریک میں مؤثر کردار کی ادا کیا۔ دور زوال کی خصوصیات سے گلو خلاصی، عہد جدید کے نظریات سے مرعوبیت کے خاتمه اور تہذیب نو کے تراشے گئے نئے نئے بتوں کے ادراک اور نئی تعلیم کی مادہ پرستی پر منی بنیادوں کی تردید و تنقید، نوجوانوں کی اسلام اور ملت کے لئے اپنی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال کے ابھار اور عالمی سرمایدار کے پیدا کردہ معاشروں کی خرابیوں اور اس کے اثرات و متاثر بدنگ بدر کے انتباہ، دانشوران مغرب کے منفی نظریات کی تنقید، مسلم امت کے عہد رفتہ کے کردار کی یاد وہانی کے حوالے سے دوبارہ دنیا کی امامت و سیادت کرنے کی آرزو و طلب پیدا کرنے جیسے مسائل پر جس خون چکر سے اشعار کہے ہیں، وہ جہاں در دنگیری، حقیقت افروزی اور اسلامیت سے ان کی محبت کی اعلیٰ مثال ہے، وہاں جدیدیت سے ان کی آشنائی کے نقطہ نگاہ سے شاہکار بھی ہیں۔

اقبال نے سیاست، معیشت، معاشرت، کلچر، تعلیم، نظریات، فکر و فلسفہ، دین و مذاہب غرض کہ بہت سارے موضوعات پر شاعری کی ہے۔ ان کی شاعری میں دور جدید کے تقریباً وہ سارے مسائل شامل ہیں، جن سے عہد جدید کے انسان کو سابقہ در پیش ہے اور جو احیائے اسلام اور ملت اسلامیہ کی نشانہ نانیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری کا کمال یہ ہے کہ جب وہ عہد جدید کے کسی مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے کلام میں اس مسئلہ کے سارے پہلوؤں کو کھول کر کھو دیتے ہیں اور امت کو جدیدیت کے پیدا کردہ اس بت سے آشنا کرنے اور اس سے بچانے کے لئے اپنی شاعری کی ساری صلاحیتیں اور تو انہیاں صرف کر دیتے ہیں۔

مثلاً جدید نظام کی تباہ کاریوں پر جب وہ شاعری کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ جدید درستگاہوں کو امت کے لئے قتل گاہ کی حیثیت سے سامنے لاتے ہیں اور ان قتل گاہوں سے صحیح سلامت پیچ کر لٹکنے کے راستے بند ہوتے ہوئے پانے کا انتباہ دیتے ہیں۔

اسی طرح وہ جدید سرمایداری نظام پر تنقید کرتے ہیں تو اس نظام کو انسانی اقدار اور انسانیت کو پہاڑ کرنے کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ نیز سرمایدارانہ تہذیب کو وہ اپنے ہی خبر سے آپ بہاک کرنے کی نوید سناتے ہیں۔

یا مثلاً وہ مسلم امت کے نوجوانوں کو اپنی اصل تہذیب کے وارث کی حیثیت سے بھرپور کردار اوکرنے اور تہذیب جدید سے دستبردار ہونے اور دنیا کو اپنی پاکیزہ مثالی تہذیب سے آشنا کرنے کے لئے اظہار خیال کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دل کے سارے خزینہ جذبات کو سامنے لا کر رکھ دیتے ہیں۔

اقبال کے کلام کی یہ خصوصیت اسے اس دور کے سارے شاعروں سے ممتاز بنا دیتی ہے۔ اس کے دو اسباب معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اسلام سے عشق کے ایسے مقام پر فائز ہیں، جہاں ان کا دل اسلام اور ملت کے لئے اضطراب کے آخری دہانے پر ہے اور انسانی اقدار اور انسانیت کو پہاڑ کرنے والے نظریات، نظاموں اور تہذیب کے خلاف ان کے جذبات انتہا پر ہیں، دوسرا سبب یہ ہے کہ ان کے فکر و فلسفہ، ان کی عقل، ان کا علم، مطالعہ، و مشاہدہ، اتنا گہرا ہے کہ مسائل کی ساری گہرائیوں تک پہنچ کر وہ حقائق و معارف کے موئی سامنے لاتے ہیں۔

کلام اقبال، فکر اقبال اور اقبال کی شخصیت پر بہت ساری کتابیں آئی ہیں اور آتی رہتی ہیں۔ رقم کی آرزو تھی کہ اقبال کے فلسفہ خودی پر اس طرح کی کتاب سامنے لائی جائے، جو ان کے کلام کی گہرائیوں سے مطابقت رکھتی ہو اور آتش عشق جس میں اقبال زندگی بھر جلتے رہے اور جلانے کا کردار اوکرتے رہے۔ ان کے اشعار کے اسی آتش عشق کے رنگ اور پس منظر میں سامنے لایا جائے، ان کی

روح کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ ان کے کلام کو فلسفہ اور علم کلام نہ سمجھا جائے، بلکہ اسے عشق کی آہنگ اور پیام سمجھا جائے۔

اقبال نے جدید انگریزی تعلیمی نظام کی تباہ کاریوں کی تصویر کشی کرتے ہوئے غالباً ۱۹۲۵ء میں کہا تھا "یہ نظام تعلیم قوم کے عمرانی، اخلاقی اور سیاسی تصورات سے بے بہرہ ہے۔ اس لئے مسلمان طالب علم روحانی طور پر بمنزلہ ایک بے جان لاش کے ہے۔ اگر موجودہ صور تحال میں سال تک قائم رہی، (یعنی نظام تعلیم جوں کا توں جاری رہا) تو وہ اسلامی روح جو قدیم اسلامی تہذیب کے چند علمبرداروں کے فرسودہ قالب میں اب تک زندہ ہے۔ ہماری جماعت (یعنی ملت) کے جنم سے بالکل جاتی رہے گے یہ۔"

اقبال کا یہ خطرہ بالکل صحیح ثابت ہوا، اس وقت حالت یہ ہے کہ جدید طبقات اپنی پاکیزہ تہذیب کی اصل روح کے فہم سے ہی قاصر ہیں، جو ملت کا سب کاالمیہ ہے۔ زیر نظر کتاب میرے دو مضامین پر مشتمل ہے، پہلا مضمون "اقبال کا فلسفہ عشق اور اس کے اسرار و رموز" سے مأخوذه ہے، دوسرا مضمون "اسلامی فکر بیسویں صدی میں" کتاب سے لیا گیا ہے، دونوں کتابیں اب نایاب ہیں۔

۲۰ ستمبر ۲۰۲۰ء

محمد موسیٰ بھٹو

بیسویں صدی اس اعتبار سے بڑی ہنگامہ خیز صدی تھی کہ مسلم دنیا میں مادہ پرست مغربی فکر اس صدی میں طوفان کی طرح پھیلیے اور مسلمانوں کی جدید پڑھی لکھی آبادی کو اس نے شعوری یا غیر شعوری طور پر متاثر کیا اور ان کی طرز زندگی کو مادہ پرستانہ طرز زندگی سے ہمکنار کیا، اس طرح بیسویں صدی میں اسلام کا صدیوں کا تہذیبی اور تاریخی تسلسل ٹوٹا اور ہمارے تہذیبی و روحانی اداروں سے نہ صرف دوری پیدا ہوئی، بلکہ کدورت پیدا ہوئی، ان حالات میں جدید مادی فکر پر جدید اسلوب میں تنقید کر کے، جدید نسلوں کے اسلام پر اعتماد کو بحال کرنے کے سلسلے میں جن مفکروں اور فاضلوں نے بہتر طور پر اسلامی فکر پیش کی، جس میں جدیدیت کے پیدا کردہ اشکالات سے دوری اور اسلام پر از سر نویقین کی روح پھونکی گئی تھی، وہ مفکریں ہمارے لئے قابل صد احترام کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی علمی و فکری خدمات کو پیش کرنا اور ان کے فکر کی نویجت کو تفصیل سے پیش کر کے، ان کی طرف سے ملت کے لئے ہونے والی علمی رہنمائی کا تائز کرہ ہونا، ان کے کام کے اہم پہلوؤں کو نمایاں کرنا، نئی نسلوں کو ان کی فکر سے آشنا کرنا، اس طرح ان کی فکر سے استفادہ کے لئے کوشش ہونا، وقت کی اہم ضرورت تھی، اس موضوع پر کتابیں نہ ہونے کے برابر ہیں، ہماری زیر نظر کتاب اسی سلسلہ کی کڑی ہے، اس موضوع پر ہماری دوسری کتاب "بیسویں صدی کے اسلامیت کے ممتاز شارحین" کے نام سے بھی موجود ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ان کتابوں کو ہر اعتبار سے نافع بنائے۔

محمد موسیٰ بھٹو

مقدمہ

اقبال کا فلسفہ خودشناصی

اقبال کا فلسفہ خودی جسے آسان الفاظ میں فلسفہ خودشناصی کہا جائے گا، فلسفہ خودشناصی اقبال کے سارے کام کا مرکزی نکتہ ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ اقبال کی ساری فکر اسی پیام ہی پر مشتمل ہے، وہ فلسفہ خودشناصی کے ذریعہ ملت میں وہ روح پھونکنا چاہتے ہیں کہ وہ سراپا تحرک ہو جائے اور اس کی انفرادی و اجتماعی زندگی سر اپا اسلام اور اسلامی تہذیب سے ہمہ آہنگ ہو جائے، اس طرح ملت دوسری اقوام کے لئے ایک نئی پاکیزہ زندگی کا ذریعہ بن جائے۔

خودشناصی دراصل اپنی شخصیت کی اصل اور اس کے جوہر سے پوری طرح آشنا ہونے کا نام ہے، انسان کی اصل کیا ہے؟ اسے فلسفہ کی اصطلاح میں خود شعوری اور مذہبی اصطلاح میں روح کہیں گے، خود شعوری یعنی روح کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی خالق ہستی سے وصال کے لئے ہے وہ وقت مضطرب اور بے قرار رہتی ہے، خود شعوری کی یہ خصوصیت ایسی ہے، جوہر صورت میں قائم اور برقرار رہتی ہے، اسے محبوب کی چاہت اور اس کے انوار حسن کے بغیر کسی طور تسلیم نہیں ہو سکتی، خودی کے بغیر انسانی شخصیت مردہ لاش بن جاتی ہے، جو کسی اہمیت کی حامل نہیں ہوتی۔ پچھلی ڈھانی تین صدیوں سے مسلمانوں کے زوال کا نیندیا سبب ہی یہی ہے کہ اس کی زندگی سے اس کا اصل جوہر روح رخصت ہو گئی ہے، روح کے بغیر محسن مادی جسم سے زندگی میں حرارت، گرمی اور تحرک پیدا نہیں ہو سکتا، اقبال اپنے فلسفہ خودی کے ذریعہ مسلمانوں کو دوبارہ اپنی اصل زندگی کی طرف واپس لانا چاہتے ہیں، اس سلسلے میں ان کا کلام انتہائی روح پرور، جاندار اور نئی توانائی کا حامل ہے۔

خود شعوری کی ساری صلاحیتیں اور سارے کمالات اس بات سے وابستہ ہیں کہ وہ مادہ اور مادی قوتوں سے بند ہو کر، عشق کے ذریعہ محبوب حقیقی سے قربت کے مقامات طے کرے، اس سے خودی میں روح مطلق ہستی کے توانائی کے بھرپور اجزاء شامل ہو جائیں گے، اس طرح مسلم ملت، دنیا

میں ایک نئے پاکیزہ انقلاب کا ذریعہ ثابت ہو گی اور انسانیت کو مادے کی بے رحم طاقتیوں کی خوفناک وافیت سے بچانے کا موجب بھی۔

خودی اور خودشناصی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مادہ کی بے رحم طاقتیں ہیں، جن میں عقلی محض اور نفسی قوتیں بھی شامل ہیں، عقلی محض اور نفسی قوتیں کی موجودگی میں خودشناصی کا سفر ہو نہیں سکتا و سرے الفاظ میں روح کی پرواز بلند نہیں ہو سکتی، روح پر مادی قوتوں کے غلبہ کا نتیجہ ہر طرح کے کمالات سے محرومی اور بڑھتے ہوئے اخلاقی زوال کی صورت میں ہی ظاہر ہوتا ہے، جس کی عملی صورت اس وقت مسلم امت کی حالت ہے، ضرورت ہے کہ اقبال کے فلسفہ خودی اور اس کی اصل کو بلند آہنگی سے پیش کیا جائے۔

ہماری یہ کتاب اس سلسلہ کی ایک کوشش ہے۔ زیر نظر کتاب میں اقبال کی کتاب "پیام مشرق" سے منتخب اشعار پیش کئے گئے ہیں۔ ان اشعار کی ترجمانی کی کاوش بھی کی گئی ہے۔

میرا پیام

سینہ کو سوزِ عشق سے گرمانا

تا مرا رمزِ حیات آموختند
آتش در پیکرِم افروختند
یک نوائے سینہ تاب آورده ام
عشق را عہد شباب آورده ام

جیسا کہ مجھے رازِ حیات سے آشنا کیا گیا ہے، اور وہ رازِ حیات یہ ہے کہ میرے بدن میں آتشِ عشق بھڑکائی گئی ہے۔ آتشِ عشق میں جلنے کے بعد میں اپنے ساتھ ایسا پیام اور نغمہ لایا ہوں، جو سینہ کو سوزِ عشق سے گماتا اور بے تاب کر دیتا ہے۔ عشق کے لئے میرا پیام اور نغمہ عہدِ شباب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی میرے اشعار اور نغموں کی وجہ سے عشق کی بھجتی ہوئی چنگاری، انگاروں کی صورت اختیار کرے گی اور دنیا میں عشق کوئی قوت سے متعارف کرانے کا موجب ہوگی۔

فطرت من عشق را در بر گرفت
صحبت خاشاک و آتش در گرفت
حق رموزِ ملک و دلیں بر من کشود
نقش غیر از پرده چشمِ ربود

فطرت میں موجود عشق کے طاقتوردائیے نے مجھے سراپا عشق بنادیا ہے۔ مجھے ماہد اور عشق کی آمیزش سے بہرہ دیکیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دین و ملت اور سلطنت کے رازوں سے آشنا کیا ہے۔ یہ سعادتِ عظمیٰ عشق کے ذریعہ دل کی تختی سے غیروں کے نقوش کو مٹانے کے بعد ہی حاصل ہوئی ہے۔

عالمِ اسلام سے سوزِ عشق کا رخصت ہو جانا

ابطحی در دشتِ خویش از راه رفت
از دم او سوزِ الا اللہ رفت
مصریاں افتاده در گرداب نیل
ست رگ تورانیاں ثندہ پیل

(مسلمانوں کی حالت زار پر روناروٹے ہوئے کہتے ہیں) عالمِ عرب اپنے ہی صحرائیں گم ہو گیا ہے۔ یعنی اسلام اور ملت کی فکر کے کام سے دستکش ہو کر وہ خود ہی زمانہ کی بے رحم موجوں کا شکار ہو گیا ہے۔ اس کے اندر سے اللہ تعالیٰ کا سوزِ عشق رخصت ہو گیا ہے۔ اس سوز کی رخصتی کی وجہ سے وہ کمزور اور ناقلوں ہو کر، غیروں کے دسترِ خوان کا لقبہ بن چکا ہے۔ ادھر مصر کی حالت یہ ہے کہ وہ دریائے نیل کے بھنوں میں پھنس چکا ہے۔
ترکی فیلِ مست کی حالت یہ ہے کہ وہ بے حس ہو گیا ہے۔ اس طرح پورا عالمِ اسلام زوال کا شکار ہے۔

تازہ کن آئین صدقیں و عمر
چوں صبا بر لالہ صمرا گذر

(ایے بے حس اور بے عملی کے غرقاب میں پھنسے ہوئے مسلمان) تمہیں پھر صدقیں اکبر اور عمر فاروقؑ کی روایت کو تازہ کرنا چاہئے، تمہیں صباء کی طرح لالہ صمرا پر گزر کر اس کو گل و گلزار بنانا چاہیے۔

گفت حکمت را خدا خیر کثیر
ہر کجا ایں خیر را بنی بگیر

قرآن نے حکمت کے جو ہر کو خیر کشیر کہا ہے، تمہیں حکمت کا یہ جو ہر جہاں سے بھی حاصل ہو، اس کے حصول میں لیت و لال سے کام نہیں لینا چاہیے۔

حقیقی علم کا خیر و عمل کی حامل شخصیتوں کے سینہ سے حاصل ہونا

علم و دولت نظم کارِ ملت است

علم و دولت اعتبارِ ملت است

آں یکے از سینهٗ احرار گیر

وال دگر از سینهٗ کمسار گیر

ملت کا نظام اور اس کے معاملات علم اور دولت دونوں کے ساتھ چلتے ہیں۔ دنیا میں انہی قوموں اور ملتوں کی ساکھ اور عزت قائم رہتی ہے یعنی علم و دولت دونوں کی بہرہ وری کے ساتھ۔

جہاں تک علم کے حصول کا تعلق ہے تو یہ خیر و عمل کے جو ہر سے بہرہ و رزنه شخصیتوں کے سینوں سے حاصل کرنا چاہئے، اس لئے کہ انہی لوگوں کے سینے، علم کے امین و وارث ہوتے ہیں۔

دولت کے حصول کے لئے پہاڑوں کا سینہ چرجنے یعنی سخت محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

یہاں علم میں معرفت بھی شامل ہے، اس لئے کہ قوموں کا نظام چلانے کے لئے، جس اخلاقی قوت کی ضرورت ہے، وہ معرفت کے ذریعہ ہی حاصل ہوتی ہے۔ معرفت کا مطلب اپنی نفسی قوتوں کا ادراک و مشاہدہ اور انہیں مطیع کرنے کی استعداد اور اپنے خالق کی عظمت کا احساس و مشاہدہ ہے۔

قومی اور کاروباری اخلاق کے ذریعہ وہ استعداد پیدا نہیں ہوتی، جس سے تو میں نفسی قوتوں کے برپا کردہ اجتماعی فساد کے اثرات بد سے نجکیں۔

فرد کی ساری کائنات کا دل کے اندر موجود ہونا

جہاں مشت گل و دل حاصل اوست

ہمیں یک قطرہ خوب مشکل اوست

نگاہ ما دوین افتادہ ورنہ

جہاں ہر کسے اندر دل اوست

اس ساری دنیا کی حیثیت مٹی کی مٹھی سے زیادہ نہیں اور سارے جہاں کا حاصل اور مقصد دل ہی ہے۔ یہ دل بمشکل خون کا ایک قطرہ ہی تو ہے۔ ہماری نگاہیں دو طرفی اور دور نگی ہو گئی ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ فرد کی ساری کائنات، اس کے دل کے اندر ہی موجود ہے۔ دل کے ذریعہ ہی وہ اشیائے کائنات اور خالق کائنات کے حسن کی شعاؤں سے بہرہ و اور محفوظ ہو سکتا ہے۔ موجودہ دور میں چونکہ سارے علوم کی بنیاد عقليت پر ہے اور جدید سائنس میں کلیتہ دل کی ایمانی اور باطنی قوت کا انکار ہے، اس لئے اسلام کی ساری تشریع میں عقليتِ محسن ہی کو بنیاد بنا یا گیا ہے۔ حالانکہ قرآنی فہم کا ذریعہ دل ہی کو قرار دیتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے میرے دل میں ایک راز کا موجود ہونا

مسلمانان مر ر حرف است در دل

کہ روشن تر ز جان جبرئیل است

نہماں دارم آزر نہاداں

کہ ایں سرے ز اسراء خلیل است

یہاں اس حدیث کی تشریح کی گئی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ ذکر کرنے والا شخص زندہ ہے، جب کہ ذکر نہ کرنے والا مرد ہے۔ عشق دراصل نامِ اللہ کی یاد اور اس کے ذکر میں فنا ہو جانے اور دل کو اس کے ذکر سے سرشار کرنے اور ماں کو بھلا دینے کا ہے۔ جب ذکر کے ذریعہ روح قوی ہو جاتی ہے تو اللہ کی طاقت فرد و افراد کے ساتھ مل جاتی ہے۔ جب اللہ کی طاقت افراد کے ساتھ مل جاتی ہے تو وہ ناقابل تفسیر ہو جاتے ہیں۔

جان کی پروادہ کئے بغیر آتش عشق میں کوڈ پڑنا

بھل افسانہ آن پا چرانے
حدیث سوز او آزار گوش است
من آں پروانہ را پروانہ دام
کہ جانش سخت کوش و شعلہ نوش است

ایسا پروانہ، جو نداکار اور جان ثار ہونے کی بجائے پھر پھر اہٹ کی آواز پر اکتفا کرتا ہے، وہ آزارِ ساعت ہے۔ میں تو ایسے پروانے کو ہی پروانہ سمجھتا ہوں، جو جان کی پروادہ کئے بغیر، آتش عشق میں کوڈ پڑتا ہے، اس طرح وہ آگ میں جل کر، تپ تپا کر خود چراغ کو بجھانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یعنی آتش عشق کو اپنے اندر جذب کر کے دوسروں کو گمانے کا ذریعہ بتاتا ہے۔ سالک را حق سب سے پہلے ذکر و فکر کے ذریعہ خود تو اہمی حاصل کرتا ہے، محبوبِ حقیقی کی محبت میں استغراق کی وجہ سے اس کے اندر اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ہر قسم کے باطل سے گلرا جاتا ہے۔ اس طرح وہ پروانہ وار ہو کر پروانے کی طرح باطل کی برپا کر دہ آگ کو بجھانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

خودی کے استحکام کے بعد الی مقاصد کے لئے جدوجہد تیز کرنا

برول از ورطہ بود عدم شو
فزوں ترزیں جہان کیف وکم شو

مسلمانوں میرے دل میں ایک راز پوشیدہ ہے، ایسا راز جس سے تمہاری زندگی کی فلاح وابستہ ہے۔ وہ راز ایسا ہے، جو جریل کی روح سے بھی زیادہ روشن ہے۔ میں اس راز کو آزدہ جو سر اپا عقل پرست تھا، اس سے چھپائے رکھتا ہوں، یہ راز دراصل عشق ہی کاراز ہے، جو خلیل اللہ کے اسرار میں ہے۔ یعنی عقل پرستی کا انتہائی نتیجہ آزر کی صورت میں ہی ظاہر ہوتا ہے، جب کہ اللہ کی محبت انسانوں کو اللہ کا خلیل بنادیتی ہے۔

آزر یعنی عقل پرستوں سے اس راز کو چھپانے کا سبب یہ ہے کہ وہ عقلیت کے بت کی پرستش میں بتلا ہونے کی وجہ سے، دل کی، محبوبِ حقیقی کے عشق کی صلاحیت کی نہ صرف تکذیب و تردید کریں گے، بلکہ میرے اپنے راہِ عشق کے سفر میں بھی مزاحم ثابت ہوں گے۔ قرآن کا مطالعہ بتاتا ہے کہ قوموں کی تباہی ان کی نفسی سرکشی کی وجہ سے ہوئی ہے، اور نفس کی سرکشی میں عقل ان کے لئے رہنمائے اول ثابت ہوئی ہے، عقل ہی نے انہیں یہ بات بھائی کہ پیغمبر انہی کی طرح کا انسان ہے، اس لئے وہ ان سے بہتر نہیں۔ اس طرح وہ پیغمبر کی تکذیب کی راہ پر گامزن ہوئی۔ اب بھی یہ عقل ہی ہے جو حق کی راہ میں مزاحم ہے۔

عشق سے زندگی کو دوام کا حاصل ہونا

ترا یک نکتہ سر بستہ گویم
اگر درسِ حیات از من گیکری
بیسری گربہ تن جانے نداری
و گر جانے بہ تن داری نمیری

اگر مجھ سے درس زندگی اور پیام زندگی حاصل کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں راز کا ایک نکتہ بتائے دیتا ہوں۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ روح کے بغیر جسم کی حیثیت مردہ لاش سے مختلف نہیں۔ اسی طرح، عشق کے بغیر زندگی مردگی کے مثل ہے۔ بدن میں روح کی موجودگی یعنی عشق کی قوت موجود ہے تو زندگی کو دوام ہی دوام حاصل ہے۔

خودی تعمیر کن در پکر خویش چو ابراہیم معمار حرم شو

حالات کار و نارو نے اور بے بھی کی دنیا سے نکل آؤ، دنیا کے قائم کردہ معیاروں سے بھی بلند ہو جاؤ، اپنی ذات میں خودی کو نشوونما دو، خودی کی تعمیر کرو، خودی کاہ روح مطلق ہستی سے تعلق مسکلم کرو، خودی کے لوازمات کی تکمیل کرو۔ ابراہیم علیہ السلام کی طرح حرم کے معمار بن جاؤ، خودی کے استحکام کے بعد دنیا میں خدائی مقاصد کے لئے اپنی جدوجہد کو تیز سے تیز تر کر دو۔ خودی سے مراد فرد کی اصل شخصیت ہے، جو روح سے عبارت ہے۔ روح کو نفس پر غالب کرو، روح کاہ روح مطلق ہستی سے تعلق اتنا مسکلم کرو کہ مادی وجود پر تجلیات اللہ کا غلبہ رہے۔ اس کے بعد نہ صرف نفسی اور مادی قوتیں مطیع ہو جاتی ہیں، بلکہ فرد و افراد کی ساری زندگی، خدائی مقاصد کی تکمیل کے لئے سراپا جدوجہد میں بڑھنے لگتی ہے۔

مادے پر جوہر کو غالب کرنے کے لئے عرصہ تک مجاہدوں سے کام لینا

سریر کیقباد، اکلیل حم خاک
کلیسا و میستان و حرم خاک
ولیکن من ندامن گوهرم چیست
نگاہم بر تر گردوں تم خاک

کیقباد کا تخت اور جشید کا تاج یہ سب مادی چیزیں ہیں، جو کسی اہمیت کی حامل نہیں۔ اسی طرح گرجا، بت خانے اور حرم کی تعمیر میں بھی مٹی شامل ہے۔ میرے وجود میں شامل جوہر کیا ہے؟ میں اس سے آشنا نہیں ہوں، البتہ اتنا ضرور معلوم ہے کہ میرا دل آسمان سے بلند تر ہے، یعنی وہ محبوب کی چلی گاہ ہے، جب کہ میرا جسم مادہ کی پیداوار ہے، اس طرح میں یہیک وقت مادہ اور نور کی آمیزش ہوں۔ انسان کے شرف کا نیادی سبب یہ ہے کہ وہ یہیک وقت مادہ اور جوہر سے عبارت ہے۔ اور جوہر

کومادہ پر غالب کرنے کے لئے وہ ایک عرصہ تک مجاہدوں میں مصروف رہتا ہے۔ جب مادے کی سرکشی ختم ہو جاتی ہے اور جوہری رنگ کے غلبہ سے انسانی شخصیت، محبوب کے انوار حسن سے بہرہ ور ہو جاتی ہے تو فرد و افراد کے لئے ساری مادی قوتیں یقین ہو جاتی ہیں۔

خودشناشی اور اللہ شناسی کے بعد جسمانی موت کے باوجود حقیقی موت کا طاری نہ ہونا

دلت می لرزد از اندیشہ مرگ
زبیمش زرد مانند زریری
بنجود باز آ خودی را پختہ تر گیر
اگر گیری، پس از مردن نمیری

(عام مسلمانوں کی ایمانی کیفیت کی عکاسی کرنے ہوئے کہتے ہیں) تمہاری حالت یہ ہے کہ موت کا نام آتے ہی تمہارا دل لرزاں و ترساں ہے، موت کے خوف نے تمہیں وحشت زدہ کر دیا ہے۔ خوف کے مارے تمہارا رنگ ہی زرد ہو گیا ہے۔ تمہارے لئے بچت کی صورت اور لا جھے عمل یہ ہے کہ توبہ تائب ہو کر، اپنی خودی کو مسکلم کرو، یعنی خودشناشی کی رہا اختیار کرو، خودی کے استحکام اور فتائے نفس کے بعد، جسمانی موت کے باوجود حقیقی موت تم پر کبھی طاری نہیں ہو گی۔ تم زندہ جاوید ہو جاؤ گے۔ موت مادہ پر واقع ہوتی ہے۔ جوہر موت سے محفوظ ہوتا ہے۔ جب روح مادے پر غالب ہو جاتی ہے اور انوار اللہ کے غلبہ کی وجہ سے مادے کی کثافت کا لعدم ہو جاتی ہے تو جوہری انسان، جو اللہ کا محبوب ہوتا ہے، وہ موت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

دل کی صلاحیتوں کی بیداری سے قرآنی آیات کے مفہوم کا آشکار ہونا

ز رازی معنی قرآن چہ پرسی
ضمیر با بآیا تشن دلیل است

خرد آتش فرزد، بر دل بسوزد
ہمیں تفسیر نمرود و خلیل است

رازی (قرآن کے مشہور مفسر) سے قرآن کے معنی کیوں پوچھتے ہو "یہ ہمارا دل ہی تو ہے جو
قرآنی آیتوں کے مفہوم کو آشکار کرتا ہے۔ دل کی اس صلاحیت کو بیدار کرو گے تو قرآن کی آیتوں میں
پوشیدہ نور اس کی گہرائیوں سے ابل کرنے کے لئے کاملاً سلسلہ میں مولانا روی کا ایک شعر قابل ذکر ہے
فرماتے ہیں۔

بینی خود اندر علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و بے اوستا

انبیاء کے علوم کا اپنے اندر میں مشاہدہ کرو، کتاب، مددگار اور استاد کے بغیر، اگرچہ مولانا کا یہ
شعر بظاہر بہت زیادہ مبالغہ پر مشتمل نظر آتا ہے، لیکن قرآن نے خود تقویٰ کو علم کو ذریعہ قرار دیا ہے
و اتقوا اللہ و یعلیمکم اللہ (تقویٰ اختیار کرو اللہ تمہیں علم عطا کرے گا) یا یا یہاں الذین آمنوا ان تتقوا اللہ
یجعل لکم فرقانا (اے اہل ایمان، اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہیں (ہر چیز) میں امتیاز (فرق
پیدا کرنے) کی صلاحیت عطا کی جائے گی) عشق دراصل کیفیات تقویٰ کے استحکام کا سب سے موثر
ذریعہ ہے، امام غزالی نے فرمایا ہے کہ جو شخص باطنی علم کے اجزاء سے محروم ہے، مجھے اس کے ایمان
با لذیث کے بارے میں شک ہے۔ باطنی علم قرآن و سنت سے کوئی جداگانہ علم نہیں ہے، بلکہ وہ
خود احتسابی کا علم ہے، "انما الاعمال بالذیات" کا علم ہے۔

عقل اور عقلیت کی پرستش جس آگ کو بڑھاتی ہے، دل اس آگ میں بھسم ہو جاتا ہے۔ یعنی
عقل پر غیر معمولی اعتقاد کی وجہ سے دل کے اندر نور بصیرت کی استعداد کا عدم ہو جاتی ہے۔
نمرود اور خلیل اللہ کی تفسیر یہی ہے، یعنی نمرود سر اپا عقل پرست تھا، عقل نے ہی اسے بت
پرستی کی راہ بھجائی، جب کہ ابراہیم خلیل اللہ، صاحب دل تھے، دل کی تجلیات سے بہرہ دو رہتے۔ دل

نے اس کی، محبوب حقیقی تک رسائی کی۔ موجودہ دور میں بھی عقلیت کے آزر نے دل کی صلاحیتوں کو
زیر وزیر کر دیا ہے۔

من از بود و نبود خود خوش
اگر گویم کہ هستم خود پر ستم
ولیکن ایں نوائے سادہ کیست
کسے در سینہ میگوید کہ هستم

میں اپنے وجود کے ہونے یانہ ہونے کے بارے میں خاموش ہوں، اس لئے یہ کہنا کہ میراپنا
وجود اور اپنی ہستی موجود اور زندہ ہے، یہ خود پرستی ہے اور دعویٰ کے مترادف ہے۔ اور دعویٰ ایسی چیز
ہے جو ناقابل معافی جرم ہے۔ مگر اس حقیقت کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ میرے دل کی گہرائیوں
میں کوئی قوت موجود ہے، جو کہتی ہے کہ اللہ کے علاوہ انسان کی جداگانہ ہستی بھی موجود ہے، اگرچہ وہ
اللہ ہی کی تخلیق ہے۔

ملت کے نام نہاد بھی خواہوں کی حالت زار پر خون کے آنسو بہانا

زخوب وزشت تو نا آشنا میم
عیارش کردہ ای سود و زیال را
دریں محفل ز من تہا ترے نیست
مچشم دیگرے بینم جہاں را

میں تمہارے اچھے اور بے اور کامیابی اور ناکامی کے خالص مادی پیمانوں سے بے گانہ ہوں،
تمہاری نظر میں مادی نفع نقصان ہی سب کچھ ہے۔ دانشوروں کی مجلس میں چہاں ملت کے مسائل کے
فہم کا خالص عقلی بیانہ ہی معیار حق بن چکا ہے۔ ان حالات میں مجھ سے زیادہ تھا کوئی نہیں، جو ملت

کی کوئی انہا نہیں۔ اس سوز عشق کے آجائے کے بعد، زندگی لازوال لذتِ حسن سے سرشار ہو جائے گی۔ اور ساری حرمتیں اور امان پورے ہو جائیں گے۔

نفس کی سرکش طاقتوں سے مقابلہ کے بغیر بقا کا حصول ممکن نہیں

چہ پرسی از کجایم چیستم من
بخود پچیدہ ام تا زیستم من
دریں درمای چو موچ بیقرارم
اگر برخودنه پیچم نیستم من

تم پوچھتے ہو کہ منزل تک رسائی کب اور کیسے ہو گی؟ میرا جواب یہ ہے کہ جب تک زندگی کی مہلت حاصل ہے، اس وقت میں نفسی قوتوں سے حالت جنگ میں رہوں، جس طرح سمندر کی بے چین موجیں سمندر کو زیر وزیر کھٹی ہیں، اور سمندر کی زندگی انہی طغیانیوں سے ہی واپسی ہے، اس طرح نفس کی سرکش طاقتوں سے مقابلہ کیسے بغیر بقا کا حصول ممکن نہیں۔ محبوب تک رسائی کی صورت ہی یہی ہے کہ راہ محبت کاراہی داخلی و خارجی طاغوت سے حالت جنگ میں رہے۔ کشمکش کے ذریعہ ہی معمر کہ جیت کر، حالت بقا حاصل ہوتی ہے۔ نفس سے کشمکش کے ذریعہ فرد کو جو بقا حاصل ہوتی ہے اور فطرت میں موجود پاکیزہ صفات کو جو استحکام حاصل ہوتا ہے، اسی میں حقیقی لذت پوشیدہ ہے۔ کشمکش کے بغیر مفت میں حاصل ہونے والی دولت، جلد ہی ضائع ہو جاتی ہے اور اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ نفس کے خلاف جنگ میں بڑی حد تک کامیابی یعنی فنا کے مقام تک رسائی کے بعد بھی سالک کو مسلسل چلتا پڑتا ہے، اس راہ میں مجاهدے ہی مجاهدے ہیں، اگرچہ حالت بقا میں آجائے کے بعد ذکر و فکر کے مجادلوں میں وہ مشقت نہیں ہوتی اور کیفیات بھی بڑی حد تک بہتر اور پاکیزہ رہتی ہیں۔

کے ان نام نہاد ہی خواہوں کی حالت زار پر خون کے آنسو بھار ہا ہے۔ میں دنیا اور اس کے مسائل کو بالکل دوسری لگاہ سے دیکھ رہا ہوں۔

ہمارے ہاں درسگاہوں، اخباروں، کتابوں اور ابلاغ کے سارے ذرائع میں کامیابی و ناکامی کے مادی پیرونوں اور ترقی کے مادی ذرائع و مسائل پر جو زور دیا جا رہا ہے اور اسے جس فیصلہ کن اہمیت کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے، اسے دیکھ کر اقبال کی طرح آج کے صاحب دل شخص کو بھی ان دانشوروں کے عقل پر ماتم کرنے اور ان کے افلام فکر پر خون کے آنسو ہی بھانے پڑتے ہیں۔ حالات و مسائل اور بڑھتے ہوئے قومی بگاڑ اور زوال کے سارے تجزیے مادی نوعیت کے ہو رہے ہیں۔ ان سے اخلاقیات کو سرے سے نکال دیا گیا ہے۔ حالانکہ زندگی سراپا پاکیزہ اخلاقیات کی محتاج ہے، روحاں اور اخلاقی ترقی کے بغیر بڑی سے بڑی مادی ترقی بھی انسان کو خوف و حزن، بے یقین، احساس بے گانگی و تہائی، خود کشی، ڈپر یشن، ذہنی دباو اور طرح طرح کی نفسیاتی بیماریوں سے بچانیں سکتی، اس طرح خالص مادی ترقی پر مشتمل معاشرے ذہنی و نفسیاتی مریضوں کے معاشرے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بالکل وہی صورت ہو جاتی ہے، جو اس وقت اہل مغرب کی ہو گئی ہے۔

اگر حیات جاوداں چاہتے ہو تو سوز عشق کے کچھ اجزاء حاصل کرو

کے کو درد پہنانے ندارد
تنے وارد ولے جانے ندارد
اگر جانے ہوس داری طلب کن
تب وتابے کہ پایانے ندارد

جو فرد درد عشق اور غم عشق سے خالی ہے، یعنی جس کا دل محبوب حقیقی کے سوز عشق سے محروم ہے، وہ اس شخص کی طرح ہے، جو جسم کا حامل تو ہے، لیکن روح سے محروم ہے۔ ظاہر ہے روح سے خالی جسم مردہ لاش کے مثل ہی ہو سکتی ہے۔ اگر تم حیات جاوداں چاہتے ہو تو اس کی تو صرف ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ اس سوز عشق کے کچھ اجزاء حاصل کرو، جو لازوال ہے اور جس

کر دیتی ہے، اس کے لئے ہر بھی چیز کے مترادف ہے۔ اگر حوصلہ، ہمت اور استقامت موجود ہے تو ایسے افراد کے لئے نفس پر سستی کا وسیع سمندر میدان کے مثل ہے، جسے طے کرنا چندال دشوار نہیں۔ لیکن کمزور اور کم حوصلے فرد کے لئے، نفس پر سستی کے وسیع سمندر کی ہر لہر اور ہر طغیانی میں گرچھ پوشیدہ ہے۔

یہاں شاعر تاکید کرتے ہیں کہ عشق کی دنیا میں داخل ہونے کے بعد راہ کی مشکلات کے پیش نظر فرار کی سوچ کا غالب آناء کم ظرفی کی علامت ہے، یقیناً نفس پر سستی کے وسیع سمندر کی ہر طغیانی میں مگرچھ موجود ہیں، لیکن یہ مگرچھ صادق عاشقوں کا حوصلہ، ہمت اور محبوب کے لئے ان کی فدائیت دیکھ کر ان کے زیر فرمان ہو جاتے ہیں۔

ایسی زندگی جس میں دوسروں کی محنت پر تکیہ ہو، وہ عذاب سے کم نہیں

تراش از تیشه خود جادہ خویش
براهِ دیگر ای رفتہ عذاب است
گراز دستِ تو کارِ نادر آید
گناہے اگر باشد ثواب است

تجھے اپنی زندگی کا لاجھ عمل اپنی کاؤشوں سے خود ہی طے کرنا چاہئے، دوسروں کی جدوجہد کا پھل کھانے سے پر ہیز کرنا چاہئے۔ ایسی زندگی، جس میں دوسروں کی محنت پر تکیہ ہو، وہ عذاب سے کم نہیں۔ ذاتی مجاہدوں کے ذریعہ اگر تجھ سے گناہ کا کام بھی سرزد ہو جائے تو محبوب کی راہ میں چلتے رہنے کی برکت سے گناہ کا یہ کام بھی تمہارے لئے اجر میں شامل ہو گا۔ ”وَعَدَ صَالِحًا فَلَوْلَكَ يُبَدِّلَ اللَّهُ سِيَّاْتَهُمْ حَسَنَاتٍ“ ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نبیکیوں سے بدل دے گا۔

میانِ آبِ گلِ خلوتِ گزیدم
زافلاطون وفارابی بریدم

دل کو ہر طرح کے وسوسوں سے خالی کر کے راہِ عشق میں مستقل چلتے رہو

دل از منزل تھی کن پا بره دار
نگہ را پاک مثل مہرومہ دار
متاعِ عقل و دلیں بادیگر ایں بخش
غمِ عشق ار بدست افتخار نگہ دار

دل کو محبوب تک رسائی کے لئے بس مسلسل چلتے رہو۔ راستے کی دشواریوں اور منزل تک پہنچنے کے لئے ابھی کتنا سفر باقی ہے؟ دل کو اس طرح کے وسوسوں سے خالی کر کے، بس چلتے ہی رہو۔ نگاہ میں پاکیزگی، چمک اور روشنی پیدا کرو، سورج اور چاند کی طرح۔ عقل اور عقلیت کی بھول بھلیوں اور دین کے نام پر قائم مراسم سے قطع نظر کر کے، عشق کی راہ پر گامزن ہو جاؤ۔ عشق کی دولت حاصل ہو تو اس کی قدر کرو اور زندگی بھر راہ عشق میں مسلسل آگے ہی بڑھتے رہو۔ جب تک محبوب حقیقی کی وصال کی منزل حاصل نہ ہو، آتشِ عشق میں جلتے رہو اور درد عشق میں فروزان تر ہوتے رہو۔ اللہ کی تجلیات اتنی بے پناہ ہیں کہ فرد زندگی بھر نئی نئی تجلیات و انوار سے فیضیاب ہوتا رہتا ہے۔ کسی بھی مرحلہ پر آکر اس کی سیر نہیں ہوتی۔

کم حوصلہ فرد کے لئے نفس پر سستی کی ہر لہر اور ہر طغیانی میں مگر مچھوں کا پوشیدہ ہونا

دل بے باک را ضرغام، رنگ است
دل ترسنده را آہو پینگ است
اگر یئے نداری بحرِ صحر است
اگر ترسی بھرِ موجش نہنگ است

باہم اور صاحب دل فرد کے لئے نفس پر سستی کی قوتوں کا مقابلہ کرنا اور نفس کے شر کو زیر کرنا بھیڑیے کو زیر کرنے کے مترادف ہے، جب کہ بزدل فرد کو نفس پر سستی کی معمولی لہر ہی زیر

نکردم از کسے دریوزہ چشم جهان را جز پچشم خود ندیدم

زندگی کی مصروفیات کو تجھ کر کے، میں نے خلوت اختیار کی ہے۔ افلاطون، فارابی اور اس قسم کے سارے فلاسفروں اور حکماء کی فکر کو میں نے خیر باد کہہ دیا ہے۔ زندگی اور کائنات کے بارے میں، میں نے جو نقطہ نگاہ اختیار کیا ہے، میری یہ فکر کسی فلاسفہ کی مر ہون منت نہیں ہے۔ بلکہ میں نے خلوت میں اپنی خودی میں ڈوب کر جو مشاہدہ کیا ہے، میری یہ فکر میرے اپنے ہی مشاہدہ کا حاصل ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کہ کلامِ اقبال اور فکرِ اقبال میں جدید طبقات کے لئے جو کوشش موجود ہے، اس کا ایک سبب اقبال کا فکر اور فلسفہ کی دنیا کا وسیع مطالعہ بھی ہے۔ اس لئے کہ اگر انکا فکر و فلسفہ کا وسیع مطالعہ نہ ہوتا تو اقبال کے پیام کی پیشش اور اسلوب میں وہ قوت پیدا ہونا مشکل تھی، جو ان کے کلام میں پائی جاتی ہے، فکر، فلسفہ اور علم سے علمی حلقوں میں ان کی ذہنی سطح کے مطابق بات کرنے اور پیغام پہنچانے میں جو آسانی ہوتی ہے، اس کا انکار ممکن نہیں، البتہ فکر و فلسفہ اور علم ہی کو حرف آخر سمجھنا، محض اس پر قناعت کرنا یا اسے دل کی خفتہ صلاحیتوں و قوتوں کے متوازنی قوت کے طور پر پیش کرنا، یہ غلط ہے۔

ز آغاز خودی کس را خبر نیست خودی در حلقة شام و سحر نیست ز خضر ایں نکتہ نادر شنیدم کہ بحر از موج دیرینہ تر نیست

انسان کی خودی (جو روح مطلق ہستی کا ایک راز ہے) اس کی ابتداء کا کسی کو علم حاصل نہیں، یہ خودی (روح) زماں و مکان کی قید سے بلند و آزاد ہے۔ میں نے خضر سے یہ بیش بہانکتہ سنائے کہ سمندر، طغیانی کی لہر سے زیادہ قدیم نہیں ہے۔

مٹی ہو کر سورج کی شعاؤں سے اخذ فیض کرنا، دل کے لئے باعث سبق ہونا

در را رمزِ حیات از غنچہ دریاب
حقیقت در مجازش بے حجاب است
زخاک تیرہ می روید ولیکن
نگاہش بر شعاعِ آفتاب است

اے دل، تجھے زندگی کا راز غنچہ سے سیکھنا چاہئے، جس کی ہستی میں حقیقت بے حجاب ہے۔
اگرچہ غنچہ تاریک مٹی سے ہی پھوٹ کر لکھتا ہے، تاہم وہ سورج کی کرنوں پر نگاہ جمائے رہتا ہے۔ مٹی ہو کر سورج کی شعاؤں سے اخذ فیض کرنا دل کے لئے باعث سبق ہونا چاہیے۔ دل کی غذا حسن کی اصل خالق ہستی کے حسن کی شعائیں ہی ہیں، دل کو اپنی اصل غذا سے بے پرواہ نہ ہونا چاہیے۔

میرے دل کا جسم اور روح کا راز داں ہونا

دل من راز داں جسم و جان است
نه پنداری اجل بر من گران است
چہ غم گر یک جہاں گم ز چشم
ہنوز اندر ضمیرم صد جہاں است

میرا دل جسم اور روح کا راز داں ہے، یہ دل ہی ہے، جو نفس کی وسیع دنیا کے اسرار اور موز اور روح کی، عرش و کرسی تک پرواز وغیرہ کا راز داں ہے۔ یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ موت سے مجھے کراہت یا گرانی طبع ہے۔ اس لئے کہ جو دل محبوب حقیقی کے انوار کا مرکز ہو اور جس دل میں پہلے سے ان گنت جہاں آباد ہوں، اس دل کے لئے اگر ایک مادی دنیا او جھل ہو گئی تو کیا ہوا؟

چونکہ عاشق خودی میں ڈوب کر محبوب کی نئی نئی تجلیات سے محظوظ ہوتا ہے، ہر تجھی سے اس کی لذت ایمانی اور یقین کی کیفیت مستحکم ہوتی ہے اور محبوب کے حسن کی اداوی کی فریشگی میں اضافہ ہی ہوتا ہے، اس نے عاشق صادق یقین رکھتا ہے کہ موت (جو محبوب سے ملاقات کے لئے پل کی حیثیت رکھتی ہے) کے بعد وہ محبوب کے انوار حسن سے زیادہ بہتر طور پر فیضیاب ہو سکے گا، اس نے عاشق موت سے ہر گز درانہ نہیں کرتے، جب عاشق کار دنیا میں ہر نیادن محبوب کی تجلیات کے مشاہدہ کی وجہ سے نئی نئی خوشی و لذت کا موجب ہوتا ہے تو موت کے بعد اس کی لذت کا کیا ٹھکانہ ہو سکتا ہے۔

**زندگی، ماضی، حال اور مستقبل کا حاصل، آرزوئے عشق اور درد
عشق میں وقت کا صرف ہونا**

جہاں یک نغمہ زارِ آرزوئے
بم وزیرش زتارے آرزوئے
پچشم ہرچہ ہست و بود باشد
دم از روزگارِ آرزوئے

دنیا نغمہ عشق کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ آرزوئے عشق کی راہ میں بہت سارے مدد و جر م موجود ہیں، جن سے گذرے بغیر چارہ کار ہی نہیں۔ میری نظر میں ساری زندگی ماضی حال مستقبل کا حاصل، بس صرف اتنا ہے کہ آرزوئے عشق اور درد عشق میں لحاظ زندگی صرف ہوں۔

قرآنی تصریحات کے مطابق، زندگی کی پیدائش کا مقصد عبادت ہی ہے۔ اور عبادت، معرفت کے بغیر نہیں ہو سکتی، اس نے کہ اللہ کی عظمت سے ہی عبادت میں معنویت اور حقیقی رنگ پیدا ہوتا ہے۔ اور معرفت کا سفر عشق کے بغیر طے نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے انوار حسن کی تجلیات سے محظوظ ہونے کا نام ہی عشق ہے۔ اس عشق کی ابتدائی صورت دنیا میں حاصل ہوتی ہے، جب کہ اس کی انتہائی صورت یعنی محبوب حقیقی کا براہ راست مشاہدہ آخرت میں ہی ہو گا جو بلا جا ب ہو گا۔

انسان کی کہانی، بتوں کو تراشتے رہنا اور ان کی پرستش کرتے رہنا
 نشستم
 هزاراں سال با فطرت گستاخ
 باو پیوستم واڑ خود
 ولیکن سرگزشتم ایں دو حرف است
 ششم
 تراشیدم، پرستیدم،

(عام انسانوں کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں) ہزارہا سالوں سے میں فطرت سے والیستہ رہا۔ اپنے آپ سے جدا ہو کر اس سے منسلک رہا۔ لیکن میری ساری سرگذشت بس ان دو الفاظ میں سماں ہوئی ہے۔ تراشیدا، پرستش کرتا ہوا اور اس کے بعد ان بتوں کو توڑتا رہا۔
 یہی انسان کی کہانی ہے، ہزارہا سالوں سے اس کی کار گزاری کا خلاصہ یہی ہے۔ یعنی یا تو وہ نفس پرستی کے بتوں کو پوچھتا رہا ہے، یا تراشے ہوئے بتوں کو۔ اس کی عبادت میں بھی دوئی، دورنگی کی آمیزش شامل رہی ہے۔

اپنی دنیا، خود آباد کرنے کی ضرورت

اگر آگاہی از کیف و کم خویش
 یے تعمیر کن از شبنم خویش
 دلا دریوزہ مہتاب تاکے
 شب خود را بر افروز ازدم خویش

اگر تم اپنی خودی (روح) کی ضروریات و مقتضیات سے آگاہ ہو تو پھر تمہیں شبنم کی طرح سحر گاہی کے آنسوں سے اپنی دنیا تعمیر کرنی چاہئے۔ اے دل، چاند سے کب تک روشنی طلب کرتے رہو گے۔ اپنی رات کو اپنے ہی دم سے آباد کرو۔

(مسلمانوں کی غلامانہ حالات کی عکاسی کرتے ہوئے کہتے ہیں) فرنگی آقاوں کی غلامی سے تو تم نے نجات حاصل کر لی ہے، لیکن تم مزاروں اور مقبروں کی عبیدت کے آداب بجالاتے ہو۔ وہاں سجدے کرتے ہو۔ غلامی کی عادت نے پتھروں کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا تمہارا مزاج پختہ تر کر دیا ہے۔

اللہ کے علاوہ مخلوق یا بے جان چیزوں کے سامنے سجدہ ریز ہونا اور ان کے آگے تذلل کا ظہار کرنے یا اغواۓ شیطانی کی سب سے بدتر صورت ہے۔ اس سے زیادہ اللہ کی بے قدری اور کوئی ہو نہیں سکتی کہ فرد مخلوق یا بے جان چیزوں کے سامنے عبیدت کے فرائض بجالائے، یہ شرک ہے جو ناقابل معافی جرم ہے۔ افسوس ہے کہ عام لوگ شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

تو می گوئی کہ من ہستم خدا نیست

جہاں آب و گل را انتہا نیست
ہنوز ایں راز بر من ناکشود است
کہ چشم آنچہ بیند ہست یا نیست

تم کہتے ہو کہ میں ہوں، اللہ موجود نہیں، یا مادی دنیا لازوال ہے اور نہ ختم ہونے والی بھی۔ تمہارے اس دعویٰ کے بر عکس، مجھ پر توبہ تک یہ راز ہی نہیں کھلا کہ میری نظر جو کچھ دیکھ رہی ہے، وہ موجود بھی ہے کہ نہیں؟ یعنی تمہاری نظر میں اللہ موجود نہیں، میری نظر میں اللہ کے سواب سراب ہی سراب ہے اور ساری کائنات بے حقیقت ہے۔

حیاتِ دوام نام ہے، عشق میں جلتے رہنے اور بے تابی مسلسل کا

تو نہ شناسی ہنوز شوق بیمرد ز اصل
چیست حیاتِ دوام؟ سوختن نا تمام

ہر فرد کے دل میں روشنی کے مینار موجود ہیں۔ دل سے نفسی قوتوں کے جاپ کی دوری اور نفسی کشافوں کی صفائی کے بعد، جب روشنی کے یہ مینار ظاہر ہوتے ہیں تو چاند کی روشنی ماند پڑھ جاتی ہے۔

ہر لمحے سے ہماری ابدی زندگی کا نقش وابستہ ہونا

گو کارِ جہاں نا استوار است
ہر آنِ ما ابد را پرده دار است
گبیر امروز را حکم کہ فردا
ہنوز اندر ضمیر روزگار است

دنیا کی خرابی کا رونامت روؤے ہمارے ہر لمحے سے ہماری ابدی زندگی کا نقش وابستہ ہے۔ آج کے دن کے حفاظت کر جو بیچنے آج کے دن یا حال کو بہتر اور پاکیزہ بناؤ، آج کی اپنی سرگرمیوں کو تعمیری صورت دو تو اس سے ظہور پذیر ہونے والا کل یا مستقبل بہتر ہو گا۔ انسان چونکہ ابدی اور دنیا میں مخلوق ہے۔ موت، زندگی کے نئے سفر کا ذریعہ ہے۔ اس نہ ختم ہونے والی زندگی کی تعمیر کا سار اسلام اس دنیا کی زندگی میں ہی ہونا ہے۔ دنیا کی اس زندگی کے ایام اگر محظوظ کے ذکر کے مجاہدوں میں بسر ہوئے تو کل کی آخرت کی زندگی میں مشاہدہ محظوظ، میں مسلسل ارتقا کی سعادت حاصل ہوتی رہے گی۔

غلامی کی عادت نے پتھروں کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے مزاج کا پختہ کرنا

رمیدی از خداوندان افرنگ
ولے گورو گنبد سجدہ پاشی
بہ لالائی چنان عادت گرفتی
زنگِ راہ مولائے تراشی

دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر حسن کی خالق ہستی کے انوار حسن سے مستفیض ہونے کے بعد فرد پر بعض اوقات حالت وجد طاری ہونے لگتی ہے، اور وہ اپنے آپ کو کائنات کے ان خوشیب انسانوں میں شمار کرنے لگتا ہے، جنہیں محبوب حقیقی نے اپنے مشاہدہ حسن کے لئے منتخب کیا ہے۔ حالت وجد میں اپنی خوش نصیبی کے اطمینان اور کیفیات دل کے بیان کے لئے اس سے اس طرح کی باتیں صادر ہونے لگتی ہیں، جو اس شعر میں عارف شاعر سے ہو گئی ہیں۔

دل کے آئینہ میں کائنات کے نقش و نگار کا صاف نظر آنا

آسودہ وسیارِ م، ایں طرفہ تماشائیں
در بادہ امروزِ م، کیفیت فردا بیں
پھاں بہ ضمیرِ من، صد عالم رعنایں
صد کوکب غلطان بیں، صد گنبدِ خضا بیں

عشق نے مجھے طرفہ تماشا بنا دیا ہے۔ میرا چنانچہ ناسرا پا عشق ہے۔ آج شراب عشق نے میری جو حالت بنادی ہے، اس سے تم میری کل کی حالت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ یعنی آج جب میں محبوب کے لئے بہت زیادہ بے تاب ہوں تو کل کی بے تابی تو اس سے فروں تر ہو گی۔ میرا دل، محبوب کے نور سے اتنا منور ہو گیا ہے کہ اس میں صد ہا حسین عالم پوشیدہ ہیں۔ حتیٰ کہ ستاروں اور آسانوں کی دنیا بھی اس دل میں پوشیدہ ہے۔ اندر میں غوطہ زن ہو کر تم بھی انہیں دیکھ لو۔
دل آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب اس پر نفس پرستی کے لگے ہوئے زنگ صاف ہو جاتے ہیں تو دل کے آئینہ میں کائنات کے نقش و نگار صاف نظر آنے لگتے ہیں، ضرورت ہے کہ دل کے آئینہ کو انوار کی شعاؤں سے صاف کیا جائے۔

درِ عشق سے خالی زندگی کا خس و خاشاک کی طرح ہونا
اگر ز رمز حیات آگھی، مجھے و مگر
دلے کہ از خاش خارِ آرزو پاک است

اے سالک راہِ محبت! تم نہیں جانتے کہ حالت وصال سے بے تابی اور جذبات کا طوفان تھم جاتا ہے۔ حیاتِ دوام کیا ہے؟ وہ نام ہے عشق میں جلنے ہے اور بے تابی مسلسل کا۔ مضطرب رہنے اور محبوب سے حالتِ وصال کی آرزو میں جیتے رہنے کا۔ محبوب کے لئے اضطراب کی سعادت کا حاصل ہونا، بجائے خود دین و دنیا کی ساری سعادتوں کا حاصل و مقصود ہے۔ اضطراب سے ہی باطنی قوتوں اور صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔ اور ان قوتوں میں نشوونما ہوتی ہے، اس طرح اضطراب ہی اس راہ میں سفر کو تیز سے تیز تر کرنے کا ذریعہ ملتا ہے۔

قبض و اضطراب میں حکمت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے سالک کو راہِ محبت میں نفس پر جر کر کے بھی چلانا پڑتا ہے، اگر اضطراب نہ ہو تو سالک کا سفر رک جائے اور وہ متحرک ہونے اور محبوب کے لئے مجاہدوں میں مصروف ہونے کے بجائے مبحد ہو جائے۔ اگرچہ حالتِ اضطراب میں نفس کو ذکر و فکر کے لئے آمادہ کرنا دشوار تر امر ہے، تاہم اس کشمکش اور مجاہدے سے ہی تو سالک کی ترقی وابستہ ہے۔

میں سراپا سوزِ آتش ہوں

من آتش سوزانِ م، من روپِ رضوانِ م
من کسوٹِ انسانِ م، پیرا ہنِ یزادانِ م
از جانِ تو پیدا یمِ در جانِ تو پنجا ہنِ م
از موجِ بلندِ تو سر بر زدہ طوفانِ م

میں سراپا سوزِ آتش ہوں، یعنی محبوب کے درد غم اور درد عشق نے مجھے سراپا سوز بنا دیا ہے، میں محبوب کے باغِ رضوان کا بھی حصہ ہوں۔ میں محبوب کے راز کن کی نشانی ہوں اور اس ہستی سے متصل بھی ہوں۔ میں محبوب کے براپا کردہ طوفان کا حصہ ہوں۔ یعنی کائنات میں محبوب کے سب سے بڑے حسن کی نشانی و علامت انسان ہی ہے۔ اور اشرفِ الخلوقات بھی، محبوب کا عشق ہی تو فرد کو سب سے منفرد و قیمتی بنادیتا ہے، دنیا و مفہیما سے بھی زیادہ قیمتی۔

بخود خزیده وہ محکم چو کوہساراں زی
چو خس مزی کہ ھوا تیز و شعلہ بیباک است

اگر تم راز حیات سے آگاہ ہو تو تمہیں ایسی ہر تجویز اور ہربات کو مسترد کر دینا چاہئے، جس سے دل کے درد عشق کی تسلیم و تشفی کی صورت موجود نہ ہو، تمہیں چاہئے کہ اپنے اندر میں ڈوبنے کی راہ پر مستقل مزاگی سے قائم رہو، پہاڑ کی طرح اٹل۔ اس لئے کہ درد عشق سے خالی زندگی خس و خاشاک کی طرح ہے، جو طوفان کی نظر ہو جاتی ہے۔

درد عشق سے خالی افراد کے لئے اداہ پرستی، نفس پرستی اور ذہنی دباؤ سے بچنے کے سامنے راستے نہیں۔ وہ بظاہر چاہے کتنے ہی دانش رو فاضل ہوں، لیکن ایک تو وہ سکون و سکینت سے بہرہ ور ہو سکتی، یہ ممکن نہیں۔ دو میرے کہ ان کے لئے انسانی جو ہر لوں سے بہرہ وری کی بھی دشوار ہے۔ بیہاں عارف شاعر، درد عشق سے خالی افراد کی صحبت سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس لئے کہ عشق سے خالی افراد اگر دیندار بھی ہیں تو یا تو وہ ظاہری فرائض و مراسم کے پابند ہوں گے یا عقليت کے حامل اسلام کے، ظاہری مراسم کی بجا آوری سے روح اور دل کی، محبوب کے لئے فداء اور اندازوں سے آشنا نہیں ہو پاتی۔ اسلامیت کی عقلی مخصوصیت کی تشریح و تحریک کا حصہ بن جانے سے فرد کے ذہن، مزاج اور نفیات کی تکشیل اس طرح ہونے لگتی ہے کہ اللہ کی محبت کے راز داونوں اور عاشق صادقوں سے دوری اور کدورت پیدا ہو جاتی ہے، اس طرح زندگی بھر اللہ کی محبت کے راز داونوں سے قربت و معیت کی سعادت سلب ہو جاتی ہے۔ اور افراد اس غلط فہمی کا شکار ہونے لگتے ہیں کہ عشق کے حوالے سے صوفیاء کی تشریح مخصوص خام خیالی ہے۔ حقیقی اسلام تو عقلی مخصوصیت اور استدلال کا نام ہے۔ اور یہ نفیات بن جاتی ہے کہ ہر وہ چیز جو باطن کی گہرائیوں سے تعلق رکھتی ہے اور روحانی امراض سے بچت کرتی ہے، اس کا سامنے سے انکار کیا جائے۔

میرے کلام کا عشق کا شمرہ اور نتیجہ ہونا

خنک انسان کہ جانش بے قرار است

سوار را ھوار روزگار است

قبائے زندگی بر قاتش راست
کہ او نو آفریں و تازہ کار است

انسان کی حالت عجیب و غریب ہے کہ وہ ہر لمحے بے قرار اور مضطرب رہتا ہے۔ وہ زندگی کے تیز فتار گھوڑے پر سوار ہو کر کار گاہ حیات میں رواں دواں ہے۔ اس پر ضروریات زندگی کی فلک طاری ہے۔ زندگی کی قیاس کے بدن کے موافق ہے، روزانہ اس کی سرگرمیاں نئی ہیں اور جدوجہد کے رخ اور زادی یہ بھی نئے ہیں۔

چکد صد نغمہ از سازے کہ دارم
بہ بازار افگنم رازے کہ دارم

میرا دل جذبات عشق سے اس قدر سرشار ہے کہ میرے سازے سینکڑوں نئے نئے نگر ہے ہیں
(میرے اشعار اور نئے دلوں کی دنیا کو اللہ اور زیر وزیر کرنے کا ذریعہ بن رہے ہیں) عشق کی ہر نی کروٹ سے جو نئے آبشار کی طرح میرے اندر کے چشمے سے پھوٹ کر نکل رہے ہیں، میں انہیں سر بازار لاتا ہوں۔ یعنی میرے کلام میں جو گہرائی و گیرائی اور فکر کا تجھر موجود ہے، وہ علم اور مطالعہ کا نتیجہ نہیں، بلکہ وہ محض عشق کا شرہ ہے۔

سامنی قوتوں کا عشق سے عاری قوتوں کے حوالے ہونے سے برو بھر
میں فساد کا پیدا ہونا

زافسون تو دریا شعلہ زار است
ھوا آتش گذار وزھر داریہ است

چوبا من یار بودی، نور بودی
بُریدی از من و نورِ تونار است

تمہارے سحر سے دریا شعلہ زار بن چکا ہے، ہوا بھی آتش اور زہر کے تیر چینک رہی ہے (نضا میں ہر طرف مادہ پرستی کے مسموم اثرات غالب ہیں) یہ سب اس بات کا نتیجہ ہے کہ عقل اور علم کا رشتہ عشق سے ٹوٹ چکا ہے۔ سائنسی قوتیں جب عشق سے عاری مادی قوتیں کے حوالے ہو گئیں تو انہوں نے ان قوتیں کو ظہر الفساد فی البر والبحر کا ذریعہ بنادیا۔ جب عقل اور سائنس عشق کے زیر اثر تھی تو وہ سراپا نور تھی۔ عشق سے جدائی کے بعداب عقل اور علم کی قوتیں آگ برساری ہی ہیں۔

سائنس عشق سے محروم مادہ پرست مغربی قوتیں کے حوالے ہو جانے کے بعد، یہ دنیا میں عالمگیر فساد کا موجب بن گئی ہے۔ جب سائنس، اہلیاں اسلام کے پاس تھی تو وہ باعث رحمت تھی۔ مغرب نے اپنیں کے مسلمانوں کے تعلیمی اداروں سے سائنسی اکتساب فیض کرنے کے بعد سائنس کو ہلاکتِ انسانی کے مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔

سائنس کو اللہ کے تصور سے نکالنا یا سائنس کو اللہ سے جدا کرنا، یہ انسانیت کا سب سے بڑا الیہ ہے، ہولناک ہتھیار فراہم ہونے اور خوفناک طاقتیں ہاتھ میں آجائے کے بعد انسان درندوں سے بھی ہزاروں لاکھوں گنازیاہ خونخوار ہو گیا ہے۔ سائنسی قوتیں سے لیس انسان کی ساری کوششوں کا محور انسانیت کو مفتوح کرنا اور اسے اپناتائیں بنانا ہے، اس طرح سائنسی قوتیں کا حامل انسان دنیا میں اللہ کی جگہ اختیار کرنے کے لئے کوشان ہے۔

نجیے کہ پابر زمیں سودہ است
زمرغِ راسفلہ تربودہ است
پے شاہبازاں بساط است سنگ
کہ برسنگ رفتمن کند تیز چنگ

جو باز فضامیں بلند پروازی کے بجائے، مٹی سے اپنے پنجوں کی صفائی میں مصروف ہے، اس کی رسوانی کا کیا ذکر ہو۔ اس کی حیثیت پا تو مرغی سے زیادہ نہیں۔ شہبازوں کے لئے تو پھر بھی غالباً چیजے کے مثل ہیں۔ پھر وہ پر چلنے سے ان کے پنجے تمیز تر ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کی حالت زار کی تصویر کشی کی ہے کہ انسانیت کی جو ہری تعلیم ہونے اور امت وسط کی نمائندہ ہونے کے باوجود وہ مادہ پرست قوتیں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور ان کی تہذیب میں اور ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں۔ مسلمانوں کی جدید پڑھی لکھی آبادی کا الیہ یہ ہے کہ وہ مغربی تہذیب پر فدا ہے، اپنی تہذیب سے بااغی ہے، ان کی پسند و ناپسند کا معیار وہی ہے، جو اہل مغرب کا ہے۔ وہ اسلامی اقدار اور اسلام کے عطا کردہ معیار خوب و ناخوب سے وحشت زده ہے۔ چونکہ مسلمان ممالک کا اقتدار جدید پڑھے لکھے طبقات کے ہاتھ میں ہے، اس لئے ان طبقات نے اپنی حکومتی پالیسیوں کے ذریعہ پوری ملت اسلامیہ کو اہل مغرب کی جھوپی میں ڈال دیا ہے۔

تمہاری پرواز میں فرشتوں کی شان کا پوشیدہ ہونا

بہ	پرواز	تو	سطوت	نوریاں
بہ	رگھاے	تو	خون	کافوریاں
تہ	چرخ	گرندہ	کوز	پشت
بنور	آنچھ	گیری	زندم	ودرشت

تمہاری پرواز میں فرشتوں کی شان پوشیدہ ہے۔ تمہاری رگوں میں پاکبازوں کا خون دوڑ رہا ہے۔ اس وسیع آسمان کے نیچے تمہیں کھانے کے لئے جو بھی میسر ہو، معمولی اور سادہ کھانا یا بہتر کھانا اپنے ہاتھ کی محنت سے ہی تمہیں اپنا شکار کرنا چاہئے۔ روحانی اور مادی دونوں اعتبار سے محتاجی سے بچنے کی تلقین ہے، روحانی محتاجی یہ ہے کہ ذاتی مجاہدوں سے کام لینے کی بجائے، زندگی بھر فیض فیض نظر سے گزارنے پر اکتفا کیا جائے، اس سے مطلوبہ روحانی بلندی حاصل نہیں ہو سکتی۔ مادی محتاجی تو ظاہر ہے کہ دوسروں کے سہارے مادی

زندگی گزارنے کی عادت کا پیدا ہو جاتا ہے۔ آج پاکستانی ملت ارہاؤ ارکی مفروض ہے، محض اس لئے کہ مقندر طبقات نے عیاشی کی زندگی گزارنے اور کروڑھا ارہاروپے کا مالک ہونے کی خاطر عالمی اداروں سے قرضہ لینے کی عادت پختہ کر لی ہے، اس طرح انہوں نے پوری قوم کو غیر وہ کام تھا جو بنا دیا ہے۔

صاحبانِ دل کی باتوں کو دل کے کانوں سے سننے کے اثرات

زدست کسے طمعہ خود مگیر
نکو باش و پندر نکویاں پذیر

روزی کے لئے دوسروں کا دست مگر ہر گز نہ ہو، دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ چھیلائے، نیک بن کر رہا اور نیکوں کی باتوں کو دل کے کانوں سے سنو۔ صاحبانِ دل کی باتوں کی دل کے کانوں سے سننے کے نتیجے میں جذبہ عشق نی نی کرو ٹھیں لیتا رہے گا اور زندگی میں معنوی انقلاب برپا ہو کر مقاصد محبوب کی تکمیل کے لئے آسانی پیدا ہو گی۔

عشق سے خالی کتابوں کا بے اثر ہونا

شنیدم شبے در کتب خانہ من
بہ پروانہ میگفت کرم کتابی
بہ اوراق سینا نشیمن گرفتم
لبے دیدم از نسخہ فاریابی

رات میں نے اپنے کتب خانے سے یہ صدائی کہ دیمک کتابوں کے پروانے سے کہہ رہا تھا کہ فارابی اور بوعلی کی کتابوں کے اور اراق دیکھ لئے ہیں، میں نے ان اور اراق میں سوراخ کر دیئے ہیں۔

عشق سے خالی محض عقلیت پر مشتمل کتابوں کی بے ثباتی کی طرف اشارہ ہے کہ اس طرح کی کتابوں کے مطالعہ سے فرد علم، استدلال اور عقل میں توزیز ہو جاتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ضد اور دعویٰ کا شکار بھی ہو جاتا ہے اور زندگی میں عشق کی فیصلہ کرنے کی اہمیت اور دل کی، محبوب کی طرف لا زوال کشش کا منکر ہو جاتا ہے۔ اس طرح خالص عقلیت پر مشتمل کتابیں فرد کو کردار وسیرت کی تعمیر سے روک تھام کے ساتھ ساتھ حقیقت سے دور کرنے کا موجب بھی بن جاتی ہیں۔ اگرچہ کتابیں علم کا ذریعہ ہیں۔ علم بجائے خود تحریر کا ذریعہ ہے، لیکن فطری قوتوں کو دو بانے کے بعد علم عام طور پر حب جاہ و حب مال کا موجب بن جاتا ہے۔ ہر دور میں ایسا ہوتا رہا ہے، لیکن موجودہ دور میں تو بد قسمی سے علم کی ساری تدوینیں خالق کائنات کی ذات، اس کی وحدانیت اور اس کے حسن کے انکار سے ہی کی گئی ہے، یعنی علم سے کائنات کی اصل حقیقت کو سرے سے ہی نکال دیا گیا ہے، اس لئے ہر ایسی سائنسی تحقیق، جو اللہ کی وحدانیت کے عقیدے کی بنیاد پر کی جائے، اس کو عالمی سطح کی علمی دنیا ماننے سے انکار کرتی ہے۔ علم کو اللہ کے متوازنی قوت کی حیثیت سے لاکھڑا کرنا، موجودہ مادہ پرست انسان ہی کا کرشمہ ہے۔

عشق سے زندگی کی پرواز کا بلند ہونا

تپش می کند زندہ تر زندگی را
تپش میدہد بال و پر زندگی را
زندگی کو فروزان تر اور دائیٰ حیثیت دینے والی چیز عشق ہی ہے۔ یہ عشق ہی ہے، جس سے زندگی کی پرواز بلند ہوتی ہے۔ عشق، فرد کو زمین سے اٹھا کر عرش اور کرسی کے قریب تر کر دیتا ہے۔ عشق کو عقل کے پیانے سے ناپنا، عقل اگر اس کا انکار کرے تو سرے سے عشق کی اہمیت اور اس کی اصل کا انکار کرنا، یہ حماقت در حماقت ہے، اس لئے کہ یہ موٹی سی بات ہے، جسے ہر فرد سمجھتا ہے کہ محبت دل سے کی جاتی ہے، نہ کہ عقل سے۔ عشق جو محبت کی انتہائی صورت ہے، وہ تو ایسی چیز ہے، جہاں عقل دم بخود ہو جاتی ہے۔ عقل کو عشق کی اصل کی تکنیک و انکار کا ذریعہ بنانا، دا نشمندی

دل کی وسیع دنیا میں ڈوب کر اس طرح زندگی گزار، جس طرح دریاء کی گہرائیوں میں موجود سیپ میں موئی پک کرتیا رہوتا ہے۔
دل، روح اور نفس کو انوارِ الٰہی سے اس طرح منور کرو کہ چاند اور تاروں کی روشنی ماند پڑ جائے۔

میں پروانہ ہوں اور عشق کی تپش میں جل رہا ہوں

شنیدم کرم شب تاب می گفت
نه آں مورم کہ کس نالد ز نیشم
تو اں بے منت بیگانگاں سوخت
نه پنداری کہ من پروانہ کیشم

میں نے جگنو سے حالت بے تابی میں بزبان حال یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نہ تو ایسی چیزوں نہیں ہوں،
جود و سروں کو افیت پہنچائے اور نہ میں آگ کی طرح ہوں، جو پروانوں کو جلائے۔ میں خود پروانہ ہوں اور عشق کی تپش میں جل رہا ہوں۔

عاشق صادق کے حالات کی عکاسی کی گئی ہے، جو کسی کی دل آزاری کئے بغیر، ساری زندگی آتش عشق میں جلنے اور سوز و ساز اور بے تابی کے ساتھ زندگی گذارنے کی جدوجہد میں مصروف رہتا ہے۔ اس کے سارے درد، فکر اور غمِ محبوب کے عشق کے تابع ہوتے ہیں۔ یہی غم اس کے سارے غموں پر حاوی ہو جاتا ہے۔

یہاں آتش عشق کی کچھ وضاحت ہونا ضروری ہے۔ سالک راہ حق کا، محبوب کی طرف سفر عشق کی بے تابناہ ادائیوں کے ذریعہ ہی ہوتا ہے۔ وہ ایک حالت سے دوسری حالت، دوسری حالت سے تیسری حالت، اس طرح مسلسل نئی نئی حالتوں اور کیفیتوں سے دوچار ہوتا ہے۔ آتش عشق دراصل محبوب حقیقی کی طرف سے جلائی ہوئی وہ آگ ہے، جس میں نفسی قوتیں اور خواہشیں پاہل ہوتی رہتی ہیں، وہ اس آگ میں جلتی رہتی ہیں، سالک نفسی خواہشات کی حریت انگیز قوتوں کا مشاہدہ

ہر گز نہیں، ایسے افراد کے لئے دین کی رو جنک پہنچا اور نفس کی مادی قوت کو مطیع کر کے، محبوب کے مقاصد کے لئے قربانی و ایثار کا مظاہرہ کرنا اور حنیف ہو کر خالص عبدیت کا مظاہرہ کرنا دشوار تر ہے۔ عقل، عشق کو مسترد کرنے کے لئے دلائل کے انبار لا کھڑا کرتی ہے۔ مثلاً عشقِ صوفیاء کی ایجاد کر دا صطلح ہے، دین میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ دین صوفیاء کی طرح گہرائیوں میں جانے کا نام نہیں، وہ تو ضابطہ کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے۔ وغیرہ وغیرہ، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دین اللہ کی عبادت و عبدیت کے لئے یکسو ہو جانے کا نام ہے۔ عشقِ اللہ کے لئے حنف (یکسو) ہو جانے ہی کا توزیر یہ ہے۔ شاعرِ اسلام نے ان اشعار میں عشق کو بلند آہنگی سے بیان کر کے، عشق کی اہمیت ثابت کر دی ہے۔ اس طرح دور جدید کی عقلیت کی بڑھتی ہوئی تحریک پر ضرب کاری لگائی ہے۔

دل کے عشق کے سوzen سے سرشار ہونے سے اشعار کا وجود میں آنا اور محبوب کے سوzen سے بے تاب ہونا

حق اگر سوzenے ندارد حکمت است
شعر میگردد چو سوzen از دل گرفت

جس حق میں عشق کی گری و حرارت موجود نہیں، وہ فلسفہ ہے، نہ کہ حق۔ دل جب عشق کے سوzen سے سرشار ہو جاتا ہے تو اس سے اشعار وجود میں آجائتے ہیں۔ ایسے اشعارِ بودل کو محبوب کے سوzen سے بے تاب کر دیتے ہیں اور فرد کو مساوی سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔

حق، دلائل، علم اور عقلیت کا نام نہیں، بلکہ حق نظرت میں موجود عشق کے طاقتوں جذبے کو بیدار کر کے، اسے ارتقائی صورت دینے کا ذریعہ ہے۔ علم، دلائل اور عقلیت یہ سب خالق ہستی کی معرفت تک رسائی اور اس ہستی وحد سے عشق کو مہیز کر دینے کا ذریعہ ہیں۔ اگر علم و دلائل اور عقلیت، عشق کی راہ میں رکاوٹ بن جائیں، معرفت نفس و معرفت رب کی طرف جانے میں حاصل ہو جائیں تو اس طرح کا علم، العلم حجاب الاکبر کے زمرے میں آجائتا ہے۔

گہر شو در آغوش قلزم بزی
فروزاں تر از ماہ واجنم بزی

کر کے انگشت بدنداں ہو جاتا ہے۔ ذکر اور صحبت کی ہر خوارک سے نفسی تو تمیں کچھ نہ کچھ ضرور پہاں ہوتی ہیں اور اس آگ میں کچھ نہ کچھ ضرور جلتی ہیں۔ مسلسل مجاہدوں کے ذریعے طویل عرصے کے بعد کہیں جا کر نفسی کثافتوں کی صفائی کے ذریعے نفس مطمئنہ کی صورت اختیار کرتا ہے۔ یہ سارا عمل آتشِ عشق کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ جب تک ذکر و فکر اور خلاصہ عبادت کے ذریعے عشق کا عمل مسلسل فروزانہ ہو، یہ سفر طے نہیں ہو سکتا۔

اندر سے حاصل ہونے والی روشنی سے راستہ کی نشاندہی کا ہونا

اگر شب تیرہ تراز چشم آھوست
خود افروزم چراغ راہ خویشم

رات کتنی ہی تاریک ہو، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ عشق کی جلتی ہوئی آگ کے ذریعہ میں اپنے اندر سے جو روشنی تیار کرتا ہوں، راستہ کی نشاندہی کے لئے دہروشنی کافی ہے۔ یہاں عارف ہر طرف چھا جانے والی تاریکی اور باطل قوتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان قوتوں نے اگرچہ حق کے نور پر پردے ڈال دیئے ہیں، تاہم ان باطل قوتوں کی بہ گیریت سے میرے نور ایمان میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ میرے دل کی گہرا یوں میں اتنی روشنی موجود ہے کہ میں تاریکی کی قوتوں کی ساری ہماہی کے باوجود راہ حق پر گامزن ہونے کا حوصلہ رکتا ہوں۔ یہ تاریکی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ بلکہ اس تاریکی میں، بہت سارے لوگوں کے لئے میں شمع کی حیثیت رکھتا ہوں۔

عشق سے روح کا مادی دنیا سے بلند ہو جانا

سرمست شدم ز پافتادم
چون عکس ز خود جدا افتادم

خام	بغراز	عرش	بردی
زان	راز	کہ	بادم
			سپردی

مسٹی یا حالتِ جذب میں میرا پاؤں لڑ کھڑا یا، میں عکس کی طرح اپنے آپ سے جدا ہو گیا۔ یعنی میری روح مادی وجود سے علیحدہ ہو گئی۔ اس کے بعد تو نے اس خاک کو یعنی اس خاکسار کو عرش تک رسایا۔

میرے ساتھ خصوصی عنایت و فضل کا یہ معاملہ تو نے اس راز کی وجہ سے فرمایا جو تو نے عشق کی صورت میں میرے دل میں دعیت فرمایا ہے۔

عشق کی وجہ سے جو کارنا نے نمایاں سر انجام ہوتے ہیں، اس میں ایک کارنامہ (جے فضل خاص کہنا ہی زیادہ صحیح ہے) یہ بھی شامل ہوتا ہے کہ روح مادی دنیا سے بلند ہو کر ایسے مقامات کی سیر کرنے لگتی ہے، جس کی مادی عقل کے لئے توجیہہ کرنا ممکن ہی نہیں، سائنسدان کائنات کے جن حصوں تک پہنچ پائے ہیں، عاشق صادق اور عارف اس سے ہزار ہاگنازیادہ حصوں تک پہلے ہی پہنچ چکے ہیں۔ لیکن ان کا سارا مشاہدہ دل کی روشن آنکھوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔

عشق ہی میری کل متعہ ہے، عشق کی وجہ سے صوفی خام کا القب ملنا
میرے لئے سعادت ہے

واصل	بکنار	کشتیم	شد
طوفان	جمال	زشتیم	شد
جز	عشق	حکایتے	ندارم
پرواے	ملامتے		ندارم

میری زندگی کی کشتی کنارے سے آگی ہے، میرے پاس طوفان جمال کے حصہ وافر کے علاوہ کچھ نہیں۔ جمال سے اس بہرہ دری کو بھلے کوئی عیب سمجھ، میرے پاس تو عشق کے علاوہ کوئی حکایت ہی نہیں۔ عشق سے ہی میری زندگی وابستہ ہے۔ عشق کو متعہ حیات سمجھنے کی میری اس ادا پر ہونے

والی ملامت کی مجھے کوئی پردازیں۔ اس لئے کہ عشق، فطرت اور فطری داعیے سے ہمہ آہنگی ہی کا توانہ ہے۔ عشق خود اعتمادی کا ہی توڑیعہ ہے۔ عشق اپنی ذات سے آشنا ہی کا تو واسطہ ہے۔ عشق یقین کی طاقت کے ساتھ زندگی گزارنے کا ہی تو طریقہ ہے۔ جو عشق میرے لئے سعادت دارین کا ذریعہ ہے، اس عشق کی وجہ سے اگر میں ہدف ملامت بنتا ہوں، صوفی خام کے لقب سے پکار جاتا ہوں تو یہ ملامت میرے لئے بجائے خود مسرت کا موجب ہے۔ ملامت کی وجہ سے عشق سے دستبردار ہونے کا تصور بھی میرے لئے سوباں روح ہے۔

محبوب کے لئے حالت گریہ اور سوز و گداز کے بغیر علم کا لاحاصل ہونا

از جلوہ	علم	بے	نیازم
سوزم	گریم	تم	گداز

ظاہری دنیاوی علم جسے ہر مرد و عورت کیمیا سمجھتا ہے اور جسے سب جان مال عزت و آبرو کو خطرات میں ڈال کر بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں اس علم سے بے نیاز ہوں۔ میں تو سوز و گداز، بے تابی اور محبوب کے لئے حالت گریہ میں رہنا چاہتا ہوں۔ میرے نزدیک اگر محبوب کے لئے سوز و گداز اور حالت گریہ حاصل نہیں تو سارا علم لاحاصل ہے۔ معروف رب پر ہزارہا مادی علوم قربان کئے جاسکتے ہیں۔ عشق اور سوز و گداز سے محروم دانشوروں کو یہ کلمتہ سمجھانا دشوار ہے کہ علم کی اصل، حقیقی اور آخری سطح عشق اور محبوب کے لئے سوز و گداز کی زندگی ہی ہے، جس سے عاشق صادقوں کو جمال محبوب کے مشاہدہ کی وجہ سے علوم کی اصل ہستی کی طرف سے نئی نئی تجليات حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ یہ تجليات لفظی علوم، معنی و مفہوم کے علوم کو یعنی بنا دیتی ہے۔ اگر تجليات الٰہی اور معرفت رب حاصل نہیں تو زندگی میں معنویت پیدا نہیں ہو سکتی اور فہم کی سطح بھی بلند نہیں ہو سکتی۔ فہم کی مادی سطح کو حقیقی فہم سے کوئی مناسبت نہیں۔

نفس اور مادی دنیا کے شکاریوں سے پناہ مانگنا

اماں	از	قتنه	صیاد	خواہم	
دلے	ز	اندیشہ	ها	آزاد	خواہم

میں نفس اور مادی دنیا کے فتنوں سے جو شکاری کی طرح گھات لگائے ہوئے ہیں، پناہ مانگتا ہوں۔ میں ایسا دل چاہتا ہوں، جو ہر قسم کے اندریوں سے آزاد ہو اور جو محض محبوب کی محبت سے سرشار ہو اور محبوب کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہو۔ قلب سلیم کا حامل دل، جس کے لئے محبوب کے احکامات کی اطاعت لذت کا مسئلہ بن جائے۔

قرآن میں ہے **وَاتَّقُوا اللَّهُ وَيَعْلَمُكُمُ اللَّهُ أَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** علم عطا فرمائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ بجائے خود علم کا ایک اہم ذریعہ ہے، یہ ایسا علم ہے، جس سے عمل کی قوت میں اضافہ پر اضافہ ہی ہوتا ہتا ہے اور دوئی، دور گئی اور بے عملی ختم ہوتی جاتی ہے۔ قلب سلیم ہو یا تقویٰ (یعنی اللہ کی شان عظمت کا استحضار اور اس کا تحکم) یہ راہ سلوک کے آخری مقامات ہیں، سلوک کا حاصل ہی تقویٰ کی فضلاً کا غالب ہونا ہے، فناۓ نفس کے بعد فرد جب حالت بقا میں آتا ہے تو تقویٰ کی نسبیت کا بڑی حد تک غلبہ ہونے لگتا ہے اور محبوب حقیقی کے عتاب اور ناراٹھی کا اندریشہ سائلک کو ہلاکر کھو دیتا ہے۔

بے قراری کے انگاروں سے گزرے بغیر حالت فنا و حالت بقا حاصل نہیں ہو سکتی

خطر	تاب	وتوال	را	امتحان	است
عيار	مکنات	جسم	وجال	است	

راہ عشق میں چلتے ہوئے بے تابی، خوف و خطر اور حالت قبض و بے چینی، یہ سب امتحان ہیں۔ جسم اور روح میں موجود ساری صلاحیتوں و توانائیوں کا ظہور اسی آزمائش سے گزرنے سے ہی وابستہ ہے۔ بے تابی کی تدبیروں سے گزرے بغیر، حالت فنا اور حالت بقا حاصل ہونا ممکن نہیں۔

راہ محبت کے راہی کو یہ کلمتہ ذہن نشین کرنا چاہئے کہ اسے روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے اضطراب اور بے تابی میں بہت ساری حکمتیں پوشیدہ ہیں، ایک حکمت تو یہ ہے کہ فرد اپنے نفس کی وسیع دنیا کے سارے اسرار سے بذریعہ آشنا ہونا شروع ہوتا ہے۔

دوسری بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس بے تابی میں ایسی فوز و فلاح اور کامیابی پوشیدہ ہے کہ زندگی بھر کی کامیابیاں اس کے مقابلہ میں بیچ ہیں۔ وہ کامیابی یہ ہے کہ سلوک کی تکمیل کے بعد فرد ہر طرح

عاشق کے وجود کا طغیانی سے ہی قائم رہنا

ساحل افتادہ گفت گرچہ بے زیست
یق نہ معلوم شد آہ کہ من چیستم
موج زخود رفتہ تیز خرمید و گفت
ھستم اگر میروم گر نروم نیستم

سمدر کے ایک دیران ساحل نے کہا کہ میں نے یہاں طویل زندگی بمرکی ہے، لیکن اب تک مجھ پر یہ راز فاش نہ ہو سکا ہے کہ میں آخر ہوں کیا؟ اس دوران پانی کی تیز لہر آئی اور اس نے حالت طغیانی میں کہا کہ میرا وجود طغیانی سے ہی قائم ہے۔ میں اگر کھڑی رہوں تو میرا وجود فنا ہو جائے۔ سالکِ راہ محبت کی اس کیفیت کی عکاسی کی گئی ہے، جس میں وہ محبوب کے لئے مسلسل چلتا رہتا ہے۔ اس کی زندگی ہی محبوب کے لئے مسلسل چلتے رہنے، حالت فکر میں رہنے اور بے تابی کی موجود کے ساتھ زیر وزبر ہوتے رہنے سے وابستہ ہے۔ وہاگرذ کرو فکر کو چھوڑ دے اور بے تابی کے مدد و ہزار میں رہنے سے انکار کر دے، تو محبوب سے اس کا تعلق مقطع ہو جائے گا۔ اس طرح وہ فنا کی ذلت سے دوچار ہوئے بغیر رہ نہیں سکے گا۔ مبتدی و متوسط کو تو مسلسل حالت ذکر میں رہنا ہی ہے، لیکن متنہی کا بھی اگر وقت کا کچھ حصہ ذکر و مرافقہ میں صرف نہ ہو گا تو وہ دوسوں سے پچھے نہیں سکے گا۔ اور نفس پرستی کی تو تین اس کو کچھ نہ کچھ ضرور پریشان کریں گی۔ اگرچہ مسلسل مجاہدوں کی وجہ سے متنہی کا متجہ الی اللہ رہتا ہے۔ تاہم اس کے لئے ذکر کے لئے باقاعدہ کچھ وقت نکالنا لازم ہے۔

طارق چوبر کناہ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کار توبہ نگاہ خرد خطاست

کے خوف و حزن سے بلند ہو جاتا ہے اور دامنی طور پر سکون و سکینت کی لازوال کیفیات سے لطف انداز ہوتا رہتا ہے۔ تیسری بڑی مصلحت یہ ہے کہ چھوٹی پیں، نفی ذات اور انکساری کے مراحل کا اس کے بغیر طے ہونا دشوار ہے۔ یہ مراحل طے نہ ہونے کی وجہ سے فطرت سے ہمہ آہنگی اور انسانی جو ہر دن سے ہر ہماری مشکل ہے۔

دانے کا مٹی سے ہی پھول بن کر ظاہر ہونا

گفتتم کہ خاکی است و بخارش ھمی دھند
گفتا چو دانے خاک شگافر گل تراست

میں نے کہا کہ فرد مٹی کی پیداوار ہے اور مٹی کے ہی نذر ہو جاتا ہے۔ مگر صاحب دل نے کہا کہ دانے مٹی سے ہی پھول بن کر ظاہر ہوتا ہے۔

یعنی انسان کی تخلیق میں ماڈے کے ساتھ جو ہری اجزاء بھی شامل ہیں، ان جو ہری اجزاء کی پروش کی جائے تو انسان اشرف المخلوقات کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے اور دامنی مخلوق ہو سکتا ہے۔ اس شعر کا دوسراء مفہوم یہ بھی ہے کہ جس طرح دانے اپنے وجود کو مٹا کر زمین میں فنا ہو جاتا ہے تو اپنے وجود کی قربانی دینے کی وجہ سے، اس سے پھول جیسی خوبصورت اور خوشبودار چیز ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح فرد و افراد جب تک اپنی انفرادی ہستی اور اپنے وجود کو مٹانے اور فنا کرنے کی راہ پر گامز نہیں ہوتے، تب تک ان سے خوبصورت کردار ظاہر نہیں ہو سکتا۔ موجودہ دور میں اپنی ہستی کو مٹانا اتنا مشکل کام ہے کہ صاحبان علم اور صاحبان دانش کے لئے غیر معمولی حد تک مشکل ہے۔ اور فنا یتی اور نفی ذات کے بغیر صاحبان اقتدار، صاحبان دولت اور صاحبان علم معاشرہ کے لئے باعث خیر نہیں بن پاتے، اور وہ اپنی نفسی خرایوں کی وجہ سے افراد معاشرہ کو پایال کرتے رہتے ہیں، موجودہ دور کا سارا افداد اسی کا شاخناہ ہے۔

دوريم از سواد وطن باز چون رسيم؟
ترك سبب روئ شريعت کجا رواست

طارق نے جب اندرس کے کنارے پر کشتی کوندر آتش کیا تو ان کے ساتھیوں نے ان پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ تم نے واپسی کے سارے راستے بند کر کے ہر اعتبار سے غلط کیا ہے۔ عقلی اعتبار سے تمہارے اس اقدام کی کوئی توجیہہ نہیں ہو سکتی۔ وطن سے اتنا دو راب و اپسی کی کیا صورت باقی ہو سکتی ہے، شرعی اعتبار سے بھی ظاہری اسباب کو تجھ دینا غلط ہے۔

هر ملک ہمارا اپنا ملک ہی تو ہے، اللہ کی دنیا ہماری دنیا ہی تو ہے

خندید و دستِ خویش به شمشیر بُرد و گفت
هر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدا ماست

طارق، دوستوں و ساتھیوں کی گفتگو سن کر ہنسا اور تلوار پر ہاتھ رکھتے ہوئے گویا ہوئے۔ ہر ملک ہمارا اپنا ملک ہی تو ہے۔ اس لئے کہ ہمارے مولا کی دنیا ہماری دنیا تو ہے۔
بندہ مومن پر جب اللہ کی محبت غالب ہو جاتی ہے تو وہ اللہ کے لئے مستانہ وار ہو جاتا ہے اور اس کا دل ہر طرف کے خوف و حزن سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اللہ کی ساری دنیا اس کی اپنی دنیا ہو جاتی ہے۔
اللہ کے لئے اس دنیا کو مفتوح کرنا اور اسے پیام توحید سے آشنا کرنا، اس کے مقاصد زندگی میں شامل ہو جاتا ہے۔

شیطان کی طرف سے ہر مزاحمت سے بندہ مومن کی توانائیوں میں اضافہ ہونا

مزی اندر جانے کور ذوق
کہ یزادا دارد وشیطان ندارد

ایسی بے ذوق دنیا، جس میں حق تو موجود ہو، لیکن شیطان نہ ہو، ایسی زندگی بے لطف و بے کیف ہے۔ اصل زندگی تو یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ، شیطان بھی ہو، تاکہ شیطانی قوتوں سے مقابلہ کرتے ہوئے اللہ تک رسائی حاصل کی جائے۔ اللہ کے راستے میں شیطان کی طرف سے ہونے والی ہر مزاحمت میں بندہ مومن کی توانائیوں میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ اور اس کے مسلسل مجاهدوں کے ذریعہ وصال محبوب میں جو لطف آتا ہے، وہ دنیا جہاں کے لطف سے بے بہا ہے۔
ہماری محفل میں آکر عجمیوں کی داستانِ غم بھی سناؤ۔

ره عراق و خراسان زن اے مقام شناس
بہ بزم اعجیاں تازہ کن غزل خوانی

اے مقام شناس، عراق اور خراسان کی داستان سناؤ، وہاں اسلامیت اور مسلمانوں کے ساتھ جو بیتی ہے، مسلمانوں کی دینی حیثیت کی کیا حالت ہے، اس کا نقشہ کچپنو، ہماری محفل میں آکر عجمیوں کی غزل خوانی بھی کرو، ان کی حالت زار بھی بیان کرو۔ ان کی داستانِ غم سناؤ۔
حرص و ہوس کے پچاریوں کے سامنے عشق کی بات نہ کرنے کی تاکید کرنا

حدیث عشق بہ اہل ہوس چہ میگوئی
مچشم مور کمش سرمہ سلیمانی

عشق کے بات حرص و ہوس کے پچاریوں کے سامنے کیوں کرتے ہو (اس لئے کہ حرص کے ہتوں کی پرستش کی وجہ سے عشق کی بات سے ان کے اندر وحشت پیدا ہو جاتی ہے) سلیمان علیہ السلام کا سرمہ چیوٹی کی آنکھ میں نہیں ڈالا جاتا۔
یہ الیہ ہے کہ عشق، انسان کی فطرت کی ناگزیر ضرورت ہونے کے باوجودہ اس سے غفلت کے نتیجہ میں فطرت کے اس سب سے طاقتور داعیے کے بارے میں سرکشی والا مزاج پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر حالت یہ ہو جاتی ہے کہ محبوبِ حقیقی کی محبت اور عشق کی بات سامنے آتے ہی ضد و مکنیب کی

نفسیات بیدار ہو جاتی ہے۔ عشق سے بیزاری کی نفسیات جن افراد اور گروہوں میں پیدا ہو جاتی ہے، ان میں نفس پرست افراد کے ساتھ ساتھ اسلام کی ظاہری علمی توجیہ کرنے والے، اسلام کو عقليت تک محدود سمجھنے والے، قرآن و سنت کی روحانی و معنوی توجیہ سے عدم مناسبت رکھنے والے سارے افراد اور گروہ شامل ہیں۔ اس طرح کے سارے گروہوں کے سامنے، عشق کی بات کرنا بے جا ہے، اس لئے کہ عشق سے ان کے انکار کی نفسیات میں چنگی پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ عشق کے بغیر اخلاق حسنہ اور بے نفسی کا پیدا ہونا اور سکون و سکینت سے بہرہ ور ہونا مشکل ہے۔

دولوں سے عشق کے نقش کو مٹانے سے ہماری اجتماعی زندگی پر ہونے

والے اثرات

اصل مايك شرر باختہ رنگ بودست
نظرے کرد کہ خورشید جہانگیر شدیم
نکتہ عشق فروشت ز دل پیر حرم
درجہاں خوار باندازہ تقییر شدیم

ہمارا اصل مقصود عشق کی چنگاری تھی۔ عشق کی اس قوت کی وجہ سے ہی ہم دنیا پر سورج کی طرح چھاگئے، لیکن ہمارا الیہ یہ ہوا کہ پیر حرم (مدبھی و دینی قیادت نے) دولوں سے عشق کے نقش کو منادیا۔ دین و مذہب کی نئی نئی تشریحات میں عشق کو غیر ضروری قرار دے کر دین سے خارج کر دیا گیا یا، غیر ضروری قرار دیا گیا، اور دین، عقلیتِ محض اور مراسم کا نام بن کر رہ گیا۔ اس کا نتیجہ دنیا میں ذلت و خواری کی صورت میں ظاہر ہوا۔ عشق سے خالی دین میں حقیقی حیثیت دین اور دین پر استقامت پیدا ہو سکے، اور تضادات و دورگی سے حفاظت ہو سکے اور محض اللہ کے لئے زندہ رہنے اور مرنے کا ولوں پیدا ہو سکے، دشوار ہے۔

خودشاس فرد کا اپنی خودی میں ڈوب کر زندگی گذارنا
نظر بخویش فربستہ را نشاں ایں است
دگر سخن نہ سراید غائب و موجود
شبے بہ میکدہ خوش گفت پیر زندہ دلے
بہ ہر زمانہ خلیل است و آتش نمرود

خودشاس فرد کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی خودی میں ڈوب کر زندگی گذرتا ہے۔ وہ غائب اور حاضر یعنی زمانہ کی غیر ضروری باتوں میں وقت ضائع نہیں کرتا۔ اس کے وقت کا مصرف خودشاسی اللہ شناسی ہی ہوتا ہے۔

رات کو شراب عشق کے میکدہ میں ایک زندہ دل پیر نے یہ اہم نکتہ بیان کیا کہ ہر زمانے میں نمرود کی آگ بھی موجود ہوتی ہے تو اس کے ساتھ خلیل بھی۔ یعنی اللہ کا دوست ہر زمانہ میں نفس اور مادی قوتوں کے خلاف برس پیکار ہوتا ہے، اس کے مقابلہ میں اسے آگ اور خون کے دریا سے گزرنا پڑتا ہے۔

نفس اور مادی قوتوں کی جلائی ہوئی اس آگ میں، جس میں اللہ کے خلیل کو ڈال دیا جاتا ہے۔ اللہ کی طرف سے سالک کی خصوصی مدد ہوتی ہے اور اسے مخلکم کرنے کے بعد صحیح سلامت اسے نکالا جاتا ہے۔

محبوب کی لذت پرواز کا ایک جگہ آرام سے رہنے نہ دینا
بہ آشیاں نہ نشیم ز لذت پرواز
گہے بہ شاخ غلم گاہ برلب لب جویم

خارجی بتوں سے مقابلہ آسان ہے، جب کہ داخلی بتوں کا مقابلہ
دوشوار تر ہے

برہمنے بہ غزنوی گفت کرامتم گلگر
توکہ صنم شکستہ بندہ شدی ایاز را

برہمن نے غزنوی سے کہا کہ میری کرامت دیکھ کر تم نے بتوں کو تو توڑ پھوڑ دیا، لیکن ایاز کے پوچھا جائیں۔ یہاں عارف یہ فکر تھے کہ خارجی بتوں کے خلاف صفت آرا ہونا اور انہیں منہدم کرنا تو نسبتاً آسان ہے، لیکن نفس کے اندر میں موجود حب جاہ و حب مال اور مادی حسن کے جو بت نصب کئے گئے ہیں، ان سے نجات حاصل کرنا، سب سے زیادہ دشوار کام ہے۔ جو ذکر و فکر کے مجاہدوں کے بغیر مشکل ہے۔ یہاں عارف شاعر نے اس حدیث کی ترجمانی کی ہے جس میں رسالت محب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے جنگ سے واپسی کے موقع پر فرمایا کہ تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آرہے ہو، صحابہ کرام حیران ہوئے کہ اللہ کی راہ میں جانوں کو خطرے ڈال کر کفار سے مقابلہ کرنے سے بڑا جہاد کیا ہو سکتا ہے، چنانچہ انہوں نے دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ نفس کے خلاف جہاد کرنا یہ جہاد اکبر ہے۔

عشق میں عقل کے جوہر کے ساتھ حکمت و فراست کا موجود ہونا

ز عشق درس عمل گیر وہرچہ خواہی کن
کہ عشق جوہر ہوش است و جان فرہنگ است
عشق ایسی چیز ہے، جسے تمہیں دستور العمل کی حیثیت دینی چاہئے، عشق کی دولت عظمی سے
بہرہ دری کے بعد تم جو چاہو، کر سکتے ہو (اس لئے کہ عشق تمہارے لئے محبوب کے مقاصد سے باہر

محبوب کی لذت پر واز مجھے ایک جگہ آرام سے رہنے نہیں دیتی۔ یعنی محبوب کے لئے بے تابی مجھے ایک ہی حالت اور کیفیت میں رہنے دینے کے بجائے، مسلسل مدد و جزر میں رکھ رہی ہے۔ کبھی میں گلب کی ٹھنپ پر ہوتا ہوں، کبھی دریاء کے کنارے پر۔

سالک راہ محبت میں طویل عرصہ تک محبوب کے لئے بے چین رہتا ہے۔ کبھی حالت لذت و خوشی و مسرت میں ہوتا ہے تو کبھی حالت قبض و بے چینی میں۔ شب و روزان دونوں حالتوں میں سے کوئی نہ کوئی حالت اس پر طاری رہتی ہے۔ حالت بسط و لذت طاری ہوتی ہے تو اس کی لذت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ حالت بے چینی کا ورد ہوتا ہے تو وہ اپنے دل پر قیامت سے پہلے قیامت برپا محسوس کرتا ہے۔ سالک کی تربیت اور اسے فناۓ نفس کے مقام تک رسائی کے لئے یہ دونوں کیفیتیں ناگزیر ہیں۔ ان سے فرار ممکن نہیں۔

میں جشید کے تخت و تاج کے مقابلہ میں جگر کی ایک آہ دینے کے لئے
تیار نہیں

سجدہ تو بر آور از دل دل کافران خوش
اے کہ دراز تر کنی پیش کسان نماز را
گرچہ متاع عشق را عقل بھائے کم نہد
من ندھم بہ تخت جم آہ جگر گداز را

اگرچہ عقل کی نگاہ میں عشق بے وقت و بے قیمت ہے، کسی اہمیت کا حامل نہیں، لیکن میری نظر میں عشق اتنی بے بہادری ہے کہ میں جشید کے تاج و تخت کے مقابلہ میں جگر کی ایک آہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ عشق کی اہمیت اس لئے ہے کہ عشق، محبوب حقیقی کے انوار حسن سے محظوظ ہونے اور دل کی آنکھوں سے محبوب کی شعاؤں کے مشاہدہ کا ذریعہ ہے۔ جس فرد کو خالق کائنات کے حسن کی شعاؤں کے مشاہدے کی سعادت حاصل ہو، اس کی لذت و خوشی کا کیا ٹھکانہ ہو سکتا ہے۔

ہمت اور حوصلہ عطا کرتا ہے۔ عشق، سالک راہ حق کو علم کے ایسے سرچشمے سے آشنا کرتا ہے جو تقویٰ، حکمت، نور بصیرت کا سرچشمہ ہے۔

عشق کی دولت سے بہرہ وری سے میری گفتار میں دانائی کے اجزاء کا شامل ہونا

فرزانہ بگفتارم، دیوانہ بکردارم
از بادہ شوق تو ہشیارم و مستم من

عشق کے دولت سے بہرہ وری کے بعد میری گفتار میں دانائی کے اجزاء شامل ہو گئے ہیں۔
جب کہ میرے کردار میں دیوانوں کی سی صفات آگئی ہیں، یعنی اس میں چالاکی، ہوشیاری، ذہانت کے زیادہ استعمال، تیزی اور کثرت گوئی جیسی چیزیں باقی نہ رہی ہیں۔ میں شراب عشق میں مست ہونے کی وجہ سے جہاں اعلیٰ درجہ کی معرفت کا حامل ہوں، وہاں عشق نے مجھے دوسرا دنیا میں مصروفیت کی وجہ سے مادی معاملات کے بارے میں میری حس کوئی وقت کمزور بھی کر دیا ہے۔
یہاں مبتدی اور متوسط صوفی کے حالات کی عکاسی کی گئی ہے۔ جو بیک وقت عشق اور دنیا کے معاملات میں توازن رکھنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

با خصوص متوسط سالک کا بیشتر وقت ذکر و فکر میں صرف ہوتا ہے، اس طرح وہ نفسی قوتوں کو تابع بنانے کی جگہ میں مصروف رہتا ہے، ذکر و فکر میں اس مصروفیت کے باوجود اس کے وقت میں اتنی برکت عطا کی جاتی ہے کہ تھوڑے سے وقت میں اس کا بہت سارا کام ہو جاتا ہے، اس کی روزی میں بھی برکت ڈال دی جاتی ہے، اس کے معاشی امور کے لئے دوسروں کو فکر مند کر دیا جاتا ہے،
حالات توسط میں آجائے اور سلوک طے کرنے کے بعد عارف سے افراد کی نفسی اصلاح کا غیر معمولی کام لیا جاتا ہے، زندگی بھر کے مجاہدوں کی وجہ سے اللہ کی طرف سے اس کے دل میں انوار کا خزانہ رکھ دیا جاتا ہے۔ عارف متنہی کے دل سے رشتہ جوڑنے اور اس سے محبت کرنے کے نتیجے میں ہر فرد کا دل

جانے کے سارے راستے بند کر دے گا) عشق میں عقل کا جو ہر بھی پوشیدہ ہے تو حکمت و فراست بھی۔

عشق کے بارے میں یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ اس میں وہ ساری خصوصیات شامل ہیں، جو اللہ کی عطا ہیں اور جو انسانی جو ہر سے تعلق رکھتی ہیں۔ عشق، دل کو توانوار کا وافر حصہ عطا کرتا ہے، ساتھ ساتھ وہ نفس کے ترکیہ کا فریضہ بھی سرانجام دیتا ہے۔ عشق، عقل کو بھی معرفت و حکمت کے ایسے اجزاء عطا کرتا ہے، جس سے عقلی محض، عقل سلیم بن جاتی ہے اور اسے زندگی، کائنات اور مستقبل کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنے میں دشواری باقی نہیں رہتی۔

عشق کی وجہ سے سارے بتوں کو توڑ پھوڑ دینا

صورت نہ پرستم من بخانہ گلستم من
آن سیل سبک سیرم ہر بندہ گلستم من
در بود و نبود من اندیشه گماں ہا داشت
از عشق ہویدا شد ایں نکته کہ ہستم من

میں صورت کو نہیں پوچھتا، یعنی میں ظاہری مراسم پر اکتفا کرنے والا نہیں۔ میں نے بت خانہ کو توڑ پھوڑ دیا ہے، یہ بت خانہ نفسی قوتوں کا ہو یا مادی قوتوں کا، یا بتوں کا، ان سب کو میں نے توڑ دیا ہے۔
میں وہ سیل رواؤ ہوں، جس نے باطل کے بنائے ہوئے سارے حصاروں کو توڑ دیا ہے۔ عقل اس جیرت اگیز ایمانی قوت کے ہونے نہ ہونے پر سخت جیران ہے، لیکن یہ عشق ہی ہے، جس نے مجھے ایمان کی اس طاقت سے بہرہ دو رکیا ہے۔

عشق کی دنیا میں داخل ہونے کے بعد فرد کی ایسی صلاحیتیں اور جو ہر ظاہر ہوتے ہیں، کہ جنہیں دیکھ کر سالک خود جیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ عشق فرد کو دنیا و ما فیہا سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ عشق فرد کو حالات غربت میں استغفاری کی دولت عطا کرتا ہے۔ عشق فرد کو اللہ کی خاطر ساری دنیا سے لڑنے کی

ذکر کی حلاوت سے آشنا ہونا شروع ہو جاتا ہے، اس طرح ان کی زندگی کا سفر از سر نو محبوب حقیقی سے محبت کی بنابر شروع ہوتا ہے۔

مجاہدوں سے حاصل ہونے والی توانائی کو اسلامیت کے تحفظ کے کاموں میں صرف کرنا

آفریدند اگر شبم بے ماہیہ ترا
خیز و بر داغ دل لالہ چکیدن آموز
اگرت خارِ گل تازہ رسے ساختہ اند
پاس ناموس چمن دار و خلیدن آموز

اگر تجھے بے ماہیہ شبم بنایا گیا ہے تو تیر اکام یہ ہے کہ تم پھول کی تیش پر شبم پاشی کرو، اگر تم گلاب کے پھول کا کانٹا ہو تو تمہیں چاہیے کہ چھینے کا نہیں سیکھو۔ چمن کی حرمت کا پاسبان بن کر۔ یہاں عارف شاعر ایک اہم نکتہ بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر تم راہِ محبت میں حالت توسط میں ہو، دوسروں کی تربیت کے قابل نہیں، تو تم شبم کی طرح آنکھوں کے آنسوں سے نفس پرستی کی قوتوں کو مضھل کرو، اگر تم متنہی کے مقام پر فائز ہو گئے ہو، تو اب تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ مجادلوں کے ذریعہ حاصل ہونے والی قوت کو اسلامیت کے تحفظ اور ملت کی تعمیر کے کاموں میں صرف کرو، اس طرح ملک و ملت کی پاسبانی کا کردار سر انجام دو۔

آنکیں تو آج دلب روں کی بزم میں نعرہ مستانہ اور غلغله بلند کریں
نظر بخویش چنان بستہ ام کہ جلوہ دوست
جہاں گرفت و مر ا فرصت تماشا نیست

بیاکہ غلغله در شهر دلب روں فہمی

جنون زندہ دلاں هرزہ گرد صحراء نیست

میں محبوب کے انوارِ حسن میں اتنا مست ہوں کہ دنیا ہبھاں کے مسائل کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہیں۔ آئیں، تو آج دلب روں کی بزم میں نعرہ مستانہ اور غلغله بلند کریں، زندہ دلوں کو یہ بات ہر گز زیب نہیں دیتی کہ محبوب کے انوارِ حسن میں مصروف ہونے کے بجائے لا یعنی کاموں میں وقت صرف کریں۔

اس شعر میں عارف شاعر نے راہِ محبت کے مسافر کا دستورِ عمل بیان کیا ہے۔ ایک یہ کہ جب تک اسے وصال کی سعادت عظمی حاصل نہیں ہوتی، تب تک اس کی پیشتر توانائیاں ذکر و فکر میں ہی صرف ہوتی ہیں۔ سلوک طے ہونے سے پہلے اسے دنیا کی فکر لاحق نہیں ہوتی، وہ اپنی فکر میں ہی مصروف ہوتا ہے، دوم یہ کہ بعض اوقات محبوب کے لئے اس کے دل میں ایسی بے تابی پیدا ہوتی ہے کہ وہ دلب روں کی مجلس میں بے ساختہ طور پر نعرہ مستانہ بلند کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، جس سے زندہ دلوں کی دلیں دہل جاتی ہیں۔ فرد و افراد کاہ معاشرے کو اپنے نفس کے شر سے بچانا اور اپنی نفسی خرابیوں سے اپنے عزیز واقارب اور دوست و احباب اور جانتے والوں کو آکو دہنہ کرنا، یہ بجائے خود بڑا کارنامہ ہے۔ مبتدی (جس میں عام فرد سے لے کر عالم، دانشور سب شامل ہیں) اس صلاحیت سے عام طور پر قاصر ہوتے ہیں، ان کا برپا کر دہ فساد بالعموم معاشرے کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ اس طرح کی صور تھاں میں مبتدی سالک کا یہ لاحجہ عمل کہ وہ اپنی اصلاح کے لئے کچھ وقت کے لئے دیگر کاموں سے یکسو ہو کر ذکر و فکر کے مجاہدوں میں مصروف ہو، ایسا لاحجہ عمل نہیں ہے، جو بے جا ہو، دنیاوی فون میں ماہرانہ صلاحیت حاصل کرنے کے لئے بھی یہ اصول رہا ہے کہ فرد کچھ وقت کے لئے اس فن میں اپنی ساری توانائیاں صرف کرتا ہے، اس طرح وہ اس فن میں ماہر ہو کر اس فن کی غیر معمولی خدمت سر انجام دیتا ہے۔

نفس کے مگر مچھ سے مقابلہ کی داستان سنانا

زقید و صید ہنگال حکایت آور
مگوکہ زورق ما روشناس دریانیست
مرید ہمت آل رہروم کہ پامگذاشت
بہ جادہ کہ درو کوہ ودشت ودریا نیست

نفس کی گہرائیوں میں موجود مگر مچھوں سے مقابلہ کر کے، تم نے انہیں پکڑ لیا، قابو کر لیا۔
مگر مچھوں سے مقابلہ میں تمہیں جن حالات سے گزرناؤ، اس کی کچھ روندا اور حکایت تو سناو! میں
نفس کے سمندر کی گہرائیوں سے آشنا ہوں، اس سلسلہ میں تمہیں مجھے نآشناہ سمجھنا چاہئے۔ یعنی میں
نفس کی گہرائیوں میں ڈوب کر اس کے سارے موجزرا اور اس کی ساری فتنہ سامانیوں اور اس کے براپا
کردہ حشر سے پوری طرح آگاہ ہوں۔ میں تو اس باہمیت انسان کا مرید ہوں، جس نے نفسی قوتوں کے
مقابلے اور محبوب سے میلاب کے حصول کے لئے مجاہدوں میں وقت صرف کیا، جودریا، پہاڑ، اور
صحرا سے آشنا ہی نہیں۔ یعنی جسے ذکر و فکر اور عشق نے دوسرے کاموں کی مہلت ہی نہ دی۔ ایسا ہی
شخص نفسی قوتوں کو پماں کر کے، اللہ کے رنگ کو غالب کرنے میں کامیاب ہے، وہی اس قابل ہے
کہ اسے مرشد بنایا جائے۔

اے مطرب، مرشد روئی کا کوئی غزل سنائیے، تاکہ میری روح اور دل
شمسم تبریز کی آتش عشق میں غوطہ زن ہو

از خاک سمرقندے ترسم کہ د گر خیزد
آشوب حلاکوے ہنگامہ چنگیزے

مطرب غزل بیتے از مرشد روم آور
تاغوطه زند جنم در آتش تبریزے

ڈرتا ہوں کہ کہیں سمرقند کی خاک سے ہلا کو یا چنگیز خان کی طرح کادو سرا طوفان برپا نہ ہو۔
شاید علامہ کا اشادہ کیونٹ اقلاب کی طرف تھا، جس نے سمرقند و بخارا سے آسی ۸۰ سال تک
اسلامیت اور شعائر اسلام کو پیال کر دیا۔ اس کا ذکر کرنے کے بعد علامہ اپنے مقصد عشق کی طرف
آتے ہیں، کہتے ہیں اے مطرب، مرشد روئی کا کوئی غزل یا شعر سنائیے، تاکہ میری روح اور دل مش
تبریز کی آتش عشق میں غوطہ زن ہو۔

دلوں کی دنیا عجیب غریب ہے، جو دل عشق کے سمندر میں موجزن ہوتا ہے، اس دل میں
جدبات عشق کی ان گنت لہریں اٹھتی رہتی ہیں، عشق کے اماموں پر عشق کے شاہوں سے دلی تعلق
مسکلم ہونے کے بعد ان کی دلوں سے عشق کی لہریں زورو شور سے مشتا قوں کی دلوں میں منتقل ہوتی
رہتی ہیں، جس سے مشتاق و مضطرب سالکوں کا، محبوب کی طرف سفر تیزی سے جاری ہونے لگتا ہے
اور ان کی دلوں کی بڑی حد تک تسلیم و تشغیل ہونے لگتی ہے۔

مالداروں کے احسان سے شریف فرد کا دامن شرافت تارتار ہونا

ناز شہاں نی کشم زخم کرم نی خورم
در گر اے ہوس فریب ہمت ایں گدائے را

میں مالداروں کا احسان لینے کا متحمل نہیں اور نہ ہی ان کے کرم و نوازش کے زخم کی سکت
رکھتا ہوں، اس لئے کہ مالدار عام طور پر قاروئی مزاج کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ براہ راست یا
بالواسطہ طور پر احسان کا بدله، اس طرح لیتے ہیں کہ شریف فرد کا دامن شرافت تارتار ہو جاتا
ہے۔ مالداروں سے بے نیازی کا میرا یہ مزاج ایسا ہے، جو ہوس کے چباریوں کے لئے درس عبرت
ہے۔

میں اللہ کی محبت کاراہی ہوں

نہ شنخ شہر نہ شاعر نہ خرقہ پوش اقبال
فقیر راہ نشین است ودل غنی دارد

اقبال نہ تو شہر کاشنخ (سردار) ہے، نہ شاعر اور نہ ہی صوفی۔ وہ اللہ کی محبت کاراہی ہے، فقیر و دل کی طرح راستے میں بیٹھا ہوا ہے۔ بظاہر وہ فقیر ہے، لیکن وہ دل کا غنی ہے، ایسا غنی کہ ساری دنیا کی دولت بھی اس کے دل کے پاکیزہ جذبات اور جذبہ عشق کو مترازل نہیں کر سکتی۔ اقبال بظاہر صوفی نظر نہیں آتے، شکل و صورت سے بھی وہ صوفیوں سے بالکل جدا گانہ ہیں، لیکن عشق کے سمندر میں ڈوب کر وہ دنیا سے جو موئی و جواہر لائے ہیں، وہ ایسے ہیں جو انہیں ممتاز صوفیاء کے مقام پر فائز کرتے ہیں۔ عشق کے پیام کو انہوں نے جس سلیقہ، نور بصیرت اور بلند آہنگی سے پیش کیا ہے کہ مولانا روی کے بعد اس کی مثال نہیں ملتی۔

غزل بزمزمہ خوال پردہ پست تر گرداں
ھنوز نالہ مرغان نوابے زیر لبی است
متاع قافلہ ما ججازیاں بردند
ولے زباں نکشائی کہ یاڑ ما عربی است

غزل گاتے وقت آواز کو دھیما کرو۔ پرندے نفیگی کے وقت آواز کو بلند نہیں کرتے۔ اہل ججاز نے اپنی بے عملی اور کمی کردار کی وجہ سے قافلے کا سامان سفر لوٹا ہے۔ یعنی اسلامیت کے قافلے اور ملت کے وحدت کے تصور پر ضرب کاری لگائی ہے (ترکی کی خلافت سے بغاوت کر کے) چونکہ ہمارا محبوب عربی ہے۔ اس لئے اہل ججاز کے اس زخم کاری کے باوجود زبان کھولنا زیبا نہیں۔

آتش عشق میں جل کر پختہ ہونے والی عارف شخصیت کا میرے لئے دنیا
جہاں سے افضل ہونا

از بزم جہاں خوشنتر از حورو جناں خوشر
یک محمد فرزانہ وزبادہ دو پیانہ
ہر کس نگہے دارد کس سخنے دارد
در بزم تو می خیزد افسانہ ز افسانہ

میرے لئے ساری دنیا اور اس میں موجود ساری چیزوں سے بہتر اور حور و جنت سے بھی بہتر ایک صاحب دل و صاحب معرفت دوست اور جام شراب کے دوپیاں ہیں۔ شراب عشق کے ساتھ عشق کے وارث و امین اور آتش عشق میں جل کر پختہ ہونے والی عارف شخصیت کی بزم میرے لئے دنیا جہاں کی خوشیوں سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے کہ دو ہمنوالے وہم پیاں جب مجھوںہ وار ہو کر حسن کی غالق آہستی کے حسن کے مشاہدہ میں مصروف ہوں گے تو زندگی کا لطف دو بالا ہو جائے گا۔

اقبال کی طرح دنیا میں عارف کی سب سے بڑی آرزویہی ہوتی ہے۔ وہ عارف، محبوب کے ایسی ادائیں سے محظوظ ہو چکے ہیں کہ ان ادائیں نے ان کی دل کو دنیا جہاں سے سرد کر دیا ہے۔ عارف اس دنیا میں محبوب کے حسن کی ایسی ادائیں سے آشنا ہو چکے ہیں کہ وہ اپنا دل محبوب حقیقی کو دے چکے ہیں، ان کی ساری مصروفیات کا مرکزو محبوب کی رضا اور اس کے انوار حسن کا مشاہدہ ہے، اس سے ہٹ کر سرگرمیوں سے ان کا دل اپاٹ ہو جاتا ہے، لذت کام وہن اور دنیا کی دل فریبیاں انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے اور ان کی مصروفیات میں خل ڈالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

نغمہ عشق کو بلند آہنگی سے پیش کرنے کا کام سپرد ہونا

اقبال نہ منبر زد رازے کہ باید گفت
ناپختہ بروں آمد از خلوتِ میخانہ

اقبال عشق کے رازوں کو افشاں کر رہا ہے۔ ایسے راز، جو راز ہی رہنے چاہئے تھے۔ اقبال، شراب عشق کی بزم کو چھوڑ کر باہر نکل آیا اور عشق کا نغمہ اس بلند آہنگی کے ساتھ پیش کر رہا ہے کہ عشق سے بے گانے افراد کی دلیں دہل جائیں اور وہ عشق کی اہمیت سے آگاہ ہو کر با مقصود زندگی کی راہ پر گامزناں ہوں (اقبال کو بزم عشق سے باہر نکال کر اہل دنیا کے سامنے عشق کے نغمہ کو بلند آہنگی کے ساتھ پیش کرنے کا کام سپرد کیا گیا تھا)۔

دولت کے بت خانے کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے بچنے کی صورت

دل بحق بند و کشادے ز سلاطین مطلب
کہ جبیں بر در ایں بتکدہ سودن نتوال

دل کو حق کے ساتھ واصل کر دے یعنی مستحکم کرو، اللہ کے ساتھ تعلقات کے استحکام کے نتیجہ میں شاہوں والداروں سے بے نیاز ہو جاؤ گے، ورنہ دولت کے بت خانے کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے بچاؤ کی کوئی صورت موجود نہیں۔ زندگی بھر ان بتوں کی پوجا سے بچنے کی صورت پیدا نہ ہو سکے گی اور دلوں سے دولت کے بتوں کی دہشت کو نکالنا دشوار ہو جائے گا، دنیا میں بندہ مومن کا جو سب سے بڑا اختیار ہے، وہ یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر دل کو دنیا کی محبت سے آلو دہنہ کرے۔ ظاہری مذہبی فرائض اور مراسم کی بجا آوری مشکل نہیں، مشکل چیز آخوت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح نہ دینا اور دنیا والی دنیا سے استغفاری ہے۔ قرآن نے اس چیز پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

سم بآخد و ہم با او ہجر اں کہ وصال است ایں؟
اے عقل چہ میگوئی اے عشق چہ فرمائی

اپنی خودی میں مصروف ہونا اور ساتھ اللہ کی یاد میں مصروف ہونا یہ حالت وصال ہے یا حالت فراق۔ اے عقل، تم ہی بتاؤ کہ یہ کیا ہے، اے عشق، اس مسئلہ میں تمہارا فتویٰ کیا ہے؟ یہاں شاعر نے مبتدی متوسط اور منتہی تینوں کے حالات کی عکاسی کی ہے۔ مبتدی و متوسط تو اپنی خودی میں ڈوبنے کی حالت میں مستقل رہتا ہے، تاو قیکیہ دل پر نفس کی گرفت مضمحل ہو اور غفلت کا ناتمہ

ہو، البتہ منتہی چونکہ فنا کے مقامات طے کر کے، حالت بقا میں آ جاتا ہے، اس لئے اس کے لئے دوسرا عام مصروفیتیں نصاندہ نہیں۔

مسلمانوں کے سینے میں موجود دل کی اہمیت اور اس کی قدر شناسی کی ضرورت

غافل تر ز مرد مسلمان ندیدہ ام
دل درمیان سینہ و بیگانہ دل است

میں نے دنیا میں مسلمان سے زیادہ غافل کسی کو نہیں دیکھا، ان کے سینے میں دل تو موجود ہے، لیکن وہ دل کی قدر و قیمت سے آشنا نہیں۔

مسلمان کا دل اللہ کے انوار کا مرکز ہے۔ اللہ کے انوار کا واخذ کرنے، دل کو انوار الٰہی سے منور کرنے کا مطلب اللہ کی معیت اور نصرت و طاقت کو اپنے ساتھ ملاتا ہے، جس گروہ کے ساتھ اللہ کی طاقت شامل حال ہو جائے، اسے دنیا کی کون سی طاقت ہے، جو مفتوح کر سکے۔ لیکن دل کی قوتوں سے نا آشنا کی وجہ سے، مسلمان دنیا میں کفر کی طاقتلوں کے سامنے بے بس اور ذلیل ہو کر رہ گیا ہے۔ دور جدید کے علوم کی بنیاد ہی اللہ سے دوری و بے نیازی پر رکھی گئی ہے، اس لئے جدید علوم سے اکتساب فیض کرنے والے اگر اللہ سے دور اور دل کی اغذا انوار الٰہی کی صلاحیتوں کے مکر ہیں تو تجب کی بات نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ جدید اسلامی فکر میں بھی دل کی صلاحیتوں کا انکار ہے اور جدید علوم سے مرعوبیت کی بنابر عقل ہی کو دل کا مرکز سمجھا گیا ہے اور اسلام کی ساری تشریع میں فلسفہ عشق کو نظر انداز کیا گیا ہے، دل جو عشق الٰہی کا مرکز ہے، اسے قابل اعتبار نہ سمجھنے اور اسے اسلامی فکر کی بنیاد نہ بنانے کی وجہ سے اسلام کو ایسے داعی اور وکیل فراہم ہو گئے ہیں، جو عقليت کے حامل ہیں، محض عقل کی بنیاد پر معاشرے و ریاست میں حقیقی اور معنوی تبدیلی برپا ہونا ممکن نہیں۔

دوسروں کے پروں سے پرواز کی روشن سے بچنے کی تاکید
درجہاں بال و پرخویش کشودن آموز
کہ پریدن نتوں با پروبال و گراں
مرد آزادم و آں گونہ غیورم کہ مرا
می توں کشت بیک جام زلال و گراں

دنیا میں تمہیں اپنے پروں سے اڑنے کا فن سیکھنا چاہئے۔ دوسروں کے پروں سے پرواز عملاً
ممکن نہیں۔ میری خودداری اور غیرت کی حالت یہ ہے کہ دوسروں کا میٹھا پانی بھی میرے لئے زہر
کے برابر ہے۔ دوسروں سے ادھار کے طور پر نظریات لے کر انہیں ضابطہ حیات کی حیثیت سے
اعتیار کرنا، دوسروں کے قرضوں پر اپنے ملک و قوم کے نظام کو چالائے اور فوج، انتظامیہ اور ساری
اجتماعی زندگی کی تشكیل غیروں کی رقم سے کرنے میں خودداری نہیں، بلکہ خود کشی ہے۔ ایسی قوموں
کا مقدر غلامی کی ذلت کے سوا کچھ نہیں۔ فاقوں کے ساتھ وقت گذارنا غیروں کے سامنے دست دراز
کرنے سے ہزار گناہ زیادہ افضل ہے۔

میرے لئے حالت فراق کا بہتر ہونا، اس لئے کہ اس سے بے تابی میں
اضافہ ہوتا ہے

اے کہ نزدیک تر از جانی و پنہاں زنگہ
ہجر تو خوشرتم آید ز وصال و گراں

محبوب اگرچہ ظاہری نظروں کے اعتبار سے دور ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ رگ گردان
سے بھی زیادہ قریب ہے۔ میرے لئے حالت ہجر اور حالت فراق بہتر ہے، دوسروں سے وصال کے
 مقابلہ میں۔ اس لئے کہ حالت فراق سے محبوب کے لئے بے تابی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس بے تابی کی
وجہ سے محبوب کی طرف سفر میں بے پایاں لطف ہوتا ہے۔

حالت فراق میں سالک راہ حق ترقیات ہاتا ہے، محبوب کے لئے اس کی بے چینی قابل دید ہوتی
ہے۔ حالت فراق کے ان تکلیف وہ لمحات کے باوجود عاشق صادق دوسروں کی معیت اور دوستی کے
لئے کسی طرح تیار نہیں ہوتا، اسے محبوب کے لئے آگ کے انگروں پر لیٹانا منظور ہے۔ لیکن محبوب
کی راہ سے دستبرداری منظور نہیں۔

کبھی میرے غم کدہ میں آکر بد نصیب مسلمان کی حالت کا مشاہدہ کرو

چہ گویمت ز مسلمانِ نا مسلمانے
جز ایں کہ پسِ خلیل است و آزری داند
یکے بہ غمکدہ من گذر کن و بنگر
ستارہ سوختہ کیمیا گری داند

میں نام نہاد مسلمان کے کیا حالات بیان کروں، اگرچہ وہ بظاہر خلیل کی اولاد سے تعلق رکھتا
ہے، لیکن عملاً اس کے کام آذر (بت پست) کے سے ہیں۔

کبھی میرے غم کدہ میں آکر اس بد نصیب مسلمان کی، جو کیمیا گری کا ماہر ہے، اس کے حالات
آگر دیکھ لو۔ عشق کے غم کدے میں داخل ہونے کے بعد فرد پر نفس انسانی کی خرابیوں، اس کے مکر
و فریب، دنیا کے بارے میں اس کی حس اور حب جاہ و حب مال کے جذبات کی جو دنیا مشاہدہ ہوتی ہے،
اس کی وجہ سے عارف کے سامنے انسانی نسبیت آئینہ کی طرح ہوتی ہے، جس میں اشیاء صاف طور پر
ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ اس لئے عارف کا غم کدہ اپنے ہی حالات کو جانتے اور اپنی نفسی خرابیوں کے
مشاہدہ کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ عارف کے آئینہ میں فرد اپنے اعمال کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

اقبال کی محفل میں بلا حجاب اندر چلے آؤ، وہ قلندری کے
سارے رازوں سے آشنا ہے

بیا بمحلس اقبال ویک دو ساغر کش
اگرچہ سر نتراشد قلندری داند

عشق ایسی چیز ہے، جو محبوب کے لئے پر وانہ وار ہر چیز قربان کرنے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ عشق
اور حیث دین لازم ملزم ہے۔ عشق نام ہی محبوب کے مقاصد کے لئے زندگی تج دینے کا ہے،
عشق، جانشیری اور فدائیانہ اداوں ہی کا ذریعہ ہے، اس لئے عشق کے بغیر ایمان کے تقاضے پورے
نہیں ہوتے۔ والذین آمنوا شد حب الله۔

ہمارے وجود کا عشق کے شعلہ حیات سے وابستہ ہونا

خاکیم و تندیسر مثال ستارہ ایم
در نیلگوں یے بتلاش کنارہ ایم
بود و بود ماست زیک شعلہ حیات
از لذت خودی چو شرر پارہ پارہ ایم

ہم اگرچہ مادے کی پیداوار ہیں، لیکن محبوب کی طرف پرواز کے سلسلہ میں ہماری رفتار نیز تر
ستارے کی طرح ہے۔ ہم بحر کائنات کے آخری کنارے کی تلاش میں ہیں، ہمارا وجود و عدم وجود
عشق کے شعلہ حیات سے ہی وابستہ ہے۔ خودی کی لذت نے ہمیں چنگاری کی طرح پارہ پارہ کر دیا
ہے۔ خودی جب روح مطلق ہستی کے لئے بے تابی کے آخری مقام پر ہوتی ہے، تو اس کی لذت قابل
دید ہوتی ہے اور خودی سے شعائیں چنگاریوں کی طرح لٹکتی ہیں۔ خودی کا وجود ہی محبوب حقیقی کے
وجود سے قائم ہے، محبوب کے انوار کے بغیر خودی (یعنی روح کو) خودی کہنا ہی بے جا ہے، ایسی
خودی اس دنیا میں بھی موت کے سے حالات سے دوچار ہوتی ہے، آخرت میں تو اسے مادی جسم کی
معیت کی وجہ سے جہنم کی آگ میں جلا یا ہی جائے گا۔ خودی کی طرح دل بھی لطیف اور غیر مادی قوت
ہے، دل کی غذا محبوب حقیقی کا ذکر کر ہے، اس ذکر سے محرومی کے نتیجہ میں دل نفسی قوتوں کا آلہ کار
ہوتا ہے، نفسی قوتوں کے آلہ کار دل کی سزا بھی جہنم کی آگ ہے (تطلع علی الافتدہ)۔

(اقبال نے عشق کی جو بزم سجائی ہے، اس میں شرکت کی دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں) اقبال
کی محفل میں تم بلا جا ب اندر چلے آؤ، آکر شراب عشق کے دوپیا لے بھر کر نوش کرلو۔ جس سے تم
شرابِ مزید کے عادی ہو جاؤ گے اور تمہارے دل کی ویران دنیا آباد ہو جائے گی۔ دین و ملت کے
بارے میں تمہاری حس بیدار ہو جائے گی۔ اقبال اگرچہ بظاہر درویشوں اور صوفیوں کے مراسم بجا
نہیں لاتا۔ تاہم وہ فلندری کے سارے رازوں سے آشنا ہے۔

اقبال طویل عرصہ تک راہ سلوک میں چلتے رہنے کی وجہ سے راہ محبت کے سارے اسراروں
کے راز دان ہو گئے تھے۔ یہاں اقبال نے بالواسطہ طور پر محبوب کے ساتھ عشق کو فروزان تر کرنے
کے لئے سجائی جانے والی مجلدوں اور مرافقوں کے حلقوں میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ جہاں انوار
اللی کی بارش ہوتی ہے، اس کی روشنی میں عشق سے محروم اور عشق سے بہرہ و رافراد کے حالات کے
موازنہ کی صلاحیت ابھرتی ہے۔

حقیقی عشق کی بات کرتے وقت کسی ہمراز کے نہ ملنے کے الیہ کا ہونا

**عشق در صحبتِ میخانہ بگفتار آید
زانکه در دیر و حرم محرم اسرارش نیست**

اللہ سے والہانہ جو دین کا نسب اُمین ہے اور جو مسلمانوں کے عروج کا موجب ہے، اس سے
بے نیازی اور بے حسی کے سلسلہ میں حالت یہ ہو گئی ہے کہ عشق کے دعویداروں کے سامنے میخانہ
میں جب حقیقی عشق کی بات ہوتی ہے تو مسجد اور عبادت خانہ میں کوئی ہمراز موجود نہیں ہوتا۔ یعنی دین
اور مذہب ظاہری مراسم کی بجا آوری تک محدود ہو گیا ہے۔ عشق کی صد اپنڈ کرنے والے کے لئے
سوائے اس کے کہ وہ تہبا یہ نغمہ گاتا رہے اور کوئی چارہ کار نہیں۔ عشق سے اس بے گانگی کے بعد اہل
مذہب پر طاقتور مادہ پرست قوتوں کے غلبہ کو روکنا کیسے ممکن ہے۔ کردار میں تاہر انہ شان اور باطل
سے مقابلہ کے لئے حوصلہ، ہمت اور قوت عشق کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔ جب عشق ہی کا خاتمه
ہو تو مادی قوتوں کی طرف سے مسلمان کو دلیل کرنے میں کیا دشواری پیش آسکتی ہے۔

ہم خاکیوں کا ہوا کے دوش پر سواری کرنا

پانوریاں بگوکہ ز عقل بلند دست
ما خاکیاں بدوش ثریا سوارہ ایم
در عشق غنچہ ایم کہ لرزدہ زباد صح
در کار زندگی صفت سنگ خارہ ایم

فرشتؤں کو زبان حال سے بتاؤ کہ قلب سلیم کے زیر اثر ہمارے عقل سلیم کی پرواز بہت بلند ہے۔ ہم خاکیوں نے ہوا کے دوش پر سواری کی ہے یعنی ہماری روح کی پرواز روح مطلق ہستی تک ہو گئی ہے۔ صح کی ٹھنڈی ہوا سے غنچہ جس طرح کانپ اٹھتا ہے، عشق نے یہی حالت ہماری بنادی ہے۔ یعنی عشق کی وجہ سے ہم محبوب کے لئے بے تاب ہیں، اور دنیاوی معاملات میں مستحکم پتھر کی طرح مضبوط۔ یعنی عشق افراد میں نہ صرف یہ کہ محبوب کے لئے اضطراب اور پچل پیدا کر دیتا ہے بلکہ عشق زندگی میں حقیقی بصیرت بھی پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ بندہ مؤمن کے بارے میں حدیث رسول میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی فراست سے ڈر اکروں اس لئے کہ وہ اللہ کی نظر وہیں سے دیکھتا ہے۔

مسلمانوں کو باطل قوتون کو سرگوں کرنے کی تاکید

اے مسلمان دگر اعجاز سلیمان آموز
دیدہ بر خاتم اہر منے نیست کہ نیست

اے مسلمان، تمہیں سلیمان علیہ السلام جیسا مجھہ دوبارہ سیکھنا چاہئے۔ جس سے وہ شیاطین جن و انس کو قابو کر لیتے تھے۔ آج دنیا بھر کی شیطانی قوتیں وہ عالمی سرماںیدار کی صورت میں ہوں یا عقلیت اور سیکیولرزم کے روپ میں، وہ سب تم سے تمہارا دین واہیمان، حیثیت دین اور حیا وغیرہ ہر چیز سلب کرنا چاہتے ہیں۔ تمہاری تہذیب اور اقدار کو ماپال کرنا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں تمہیں اپنے ایمان کو اس مقام پر پہنچانا چاہئے، جس کی بدولت اللہ کی مدد تمہارے ساتھ شامل ہو جائے اور

تمہیں وہ کمالات اور تصرفات حاصل ہو جائیں کہ ساری باطل قوتیں تمہارے سامنے سرگوں ہو جائیں۔

اندر میں ڈوب کر اندر کے بتوں سے نجات کی فکر کا ہونا ناگزیر ہے

طوافِ کعبہ زدی گرد دیر گردیدی

نگہ بخویش نہ پیچیدہ ای دربغ از تو

تم نے سعبدۃ اللہ کے طواف کا فریضہ بھی سرانجام دیا اور مندر کے گرد چکر میں لگائے، لیکن کبھی تم نے اپنے اندر میں ڈوب کر اپنے اندر کے بتوں سے نجات کی فکر نہیں کی۔

عبادت اس وقت تک تیجہ خیز ثابت نہیں ہوتی، جب تک اندر میں ڈوب کر نفسی بتوں سے نجات کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ معاشرے اور اجتماعی زندگی میں سارے افساد نفس ہی کا بربپا کر دہ ہوتا ہے۔ نفس میں ہزار ہانو ہشیں ہیں۔ ہر خواہش اس قدر طاقتور ہے کہ اس سے کئی شیطان پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس لئے خود شناسی، تعمیر سیرت اور اصلاح نفس کا مرحلہ سب سے بیادی مرحلہ ہے۔

اپنی باطنی آنکھ سے اپنی زندگی کا جائزہ لینا

چشم بکشائے اگر چشم تو صاحب نظر است

زندگی در پے تعمیر جہاں دگر است

من دریں خاکِ کہن گوہر جاں می بینم

چشم ہر ذرہ چو انجم نگران می بینم

اگر تم صاحب نظر ہو تو تمہیں چاہئے کہ اپنی باطنی آنکھ (جو بصیرت اور فہم و فراست کا مرکز ہے) کھول دے، اپنی باطنی آنکھ سے اپنی زندگی اور اپنے کاموں کا مشاہداتی جائزہ لو، زندگی اپنی تعمیر کے لئے دوسری دنیا کی محتاج ہے۔ وہ معرفت کی دنیا ہے، جو باطن سے پھوٹ کر لکھتی ہے۔ میری نظر

میں زندگی کا حقیقی جوہ راس خاک کہن میں موجود ہے، جس سے ہماری تفہیم و تہذیب وابستہ ہے۔ قرآن میں ہے۔ وذر و ظاہر الاسم و باطنہ (پچھا ظاہری گناہوں سے بھی اور باطنی گناہوں سے بھی)۔ باطنی زندگی بہت وسیع ہے۔ ظاہری زندگی بھی باطن کا ہی عکاس ہوتی ہے، اگر باطن صاف و پاک ہے تو ظاہری اطاعت میں بھی اس نورانیت کا رنگ غالب ہے، قرآن میں دوسرا جگہ ہے من کان فی هذه اعماق فهو في الآخرة أعمى (جو اس دنیا میں اندر ہارہا و آخرت میں بھی اندر ہا ہو کر اٹھے گا) اس سے واضح ہوا کہ باطن یعنی قلب کی اصلاح کے بغیر باطنی تاریکی دور نہ ہوگی۔ باطنی تاریکی ہی آخرت میں اندر ہے پن کا موجب ہوگی۔

اللہ کی محبت کے بیچ کے حامل فرد کی غیر معمولی قوت

دانہ را کہ آنکوش زمین است هنوز
شاخ در شاخ وبر و مندو جوال می بینم
کوہ رامشل پر کاہ سبک می یا بم
پر کا ہے صفتِ کوہ گراس می بینم

جودانہ زمین کے آنکوش میں (بیچ کی صورت میں) موجود ہے، اسے میں شاداب اور بہتر پھل کی صورت میں دیکھتا ہوں۔ البتہ یہاں جو بیچ سے خالی ہے، اس کی حیثیت پر کاہ سے بھی کم تر ہے، جب کہ پر کاہ کو میں طاقتور پہاڑ کی ہیئت اختیار کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

عارف شاعر اس شعر میں دو افراد کی مثال پیش کرتے ہیں۔ ایک تو وہ فرد ہے، جس کے دل میں اللہ کی محبت کا بیچ داخل ہے، یہ بیچ آہستہ آہستہ پھل اور درخت کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ محبت کا بیچ ظاہر معمولی ہے، لیکن اثرات کے اعتبار سے یہ طاقتور ترین پہاڑ سے بھی زیادہ مضبوط اور دیر پا اثرات کا حامل ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے، جو ظاہر بہت طاقتور ہے۔ غیر معمولی مادی قوتوں کا مالک

ہے، لیکن اس کی دل کی سرزین پاکیزہ محبت کے بیچ کی اہل نہیں۔ اس طرح کے شخص کی مثال پر کاہ سے بھی کم ہے۔ وہ معمولی طوفان میں زیر وزبر ہوئے بغیرہ نہیں سکتا۔

عشق کی روائی سے قائم زندگی کا دامُ اور قائم رہنا

زندگی جوئے روایا است و روایا خواہد بود

ایں مئے کہنے جواں است و جواں خواہد بود

وہ زندگی جس میں عشق کی روائی دریا کی طرح موجزن ہو، وہ دامُ اور قائم رہے گی۔ شراب عشق ایسی چیز ہے، جو زندگی کو تروتازہ رکھتی ہے اور یہ زندگی کو مسلسل روایا دوایا رکھے گی۔

شراب عشق کی اصطلاح بھی عجیب اصطلاح ہے، تصوف میں اس اصطلاح کا مطلب ہے، عشق الٰہی کے نشہ میں استغراق، جس طرح شراب سے عقل پکھ دیر کے لئے معطل ہو جاتی ہے، اسی طرح ذکر و فکر کے غلبہ کی وجہ سے سائل را محبت پر پکھ دیر کے لئے انوار الٰہی کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ وہ دنیا و ما فیحہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس طرح شراب عشق کے ذریعہ مادی کثافتوں سے پاک صاف ہو کر فرد پر صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) غالب ہونے لگتا ہے۔

فلسفہ کا عقل ہی کو حق کی کسوٹی سمجھنا

فلسفی را با سیاست داں بیک میزاں مج

چشم آں خورشید کورے وعدہ ایں بے نے

آں تراشد قول حق را جحت نا استوار
دیں تراشد قول باطل را دلیل محکمے

(فلسفہ اور سیاستدان کے مزاج اور نقطہ نگاہ کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں) ان دونوں کو ایک ہی ترازو میں نہ تلوہ، ایک ہی نظر سے نہ دیکھو۔ فلاسفہ کی حالت یہ ہے کہ وہ عقل ہی کو حق کی کسوٹی سمجھتا ہے۔ اس لئے اسے سورج چیزی صداقت دکھائی ہی نہیں دیتی۔ عقل پیاراؤں کی وجہ سے وہ حق کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہی نہیں۔ سیاستدان حق کے لئے الٹی سیدھی دلیل تلاش کرتا رہتا ہے۔ جب کہ فلاسفہ باطل کے لئے محکم دلائل تیار کرنے کے لئے کوشش رہتا ہے۔ دونوں کا مقصود و معبود باطل کی پوجا ہے۔ طریق کار مختلف ہے۔

اے عقل، دل کی معرفت کے نکات اور مسائل کے بارے میں اس کی حکیمانہ باتوں کو سامنے لاو۔

خطا را بحکمت مگرداں صواب
خضر را نگیری بدایم سراب
بدوش زمیں بارہ سرمایہ دار
ندارد گذشت از خور و خواب کار

عقل کی مدد سے جھوٹ اور باطل کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش (جومعاشرے کی عمومی روشن ہے) ہر گز نہیں کرنی چاہئے، اس لئے کہ یہ ایسا ہے، جیسے صحرائیں خضر کو جال میں پھنسانے کی کوشش کی جائے۔ ظاہر ہے یہ کوشش ناکام ہوگی۔ موجودہ دور میں یہ سرمایہ داری ہی ہے، جو دولت کی غاطر باطل کو سچ ثابت کرنے کے لئے کوشش ہے۔ اللہ کی زمین اور اس کی مخلوق کے لئے سرمایہ دار عتاب کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ نقش، آرام اور لذت کی چیزوں کے علاوہ اس کا کوئی مصرف نہیں۔

نقشے کہ بستہ ای ہمہ اوہام باطل است
عقلے بھم رسائ کہ ادب خورده دل است

تم نے زندگی، کائنات، مسائل حیات، نفسی اور مادی قوتوں کے فہم کے سلسلہ میں عقل محن
کی مدد سے جو نظریہ اور نقطہ نگاہ اختیار کیا ہے، وہ سراسر باطل اور وہم ہے۔
اے عقل، دل نے معرفت کے جو نکات بتاتے ہوں اور مسائل کے بارے میں جو حکیمانہ
باتیں بتائی ہوں، ان کو سامنے لاو، وہی نقطہ نگاہ اس قابل ہے کہ اسے صدق پر مبنی تصور کر کے،
اختیار کیا جائے۔ اس لئے کہ دل انوار الہی کا مرکز ہے، کثرت ذکر و فکر کے ذریعہ دل جب منور ہو جاتا
ہے تو اس کے اندر سے ظاہر ہونے والا ہر کتنہ نور سے سرشار ہوتا ہے، وہ مادی عقل اور نفسی قوتوں کی
آمیزش سے صاف ہوتا ہے۔ دل کی اس غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے ہی حدیث شریف میں ہے اپنے
قلب سے فتویٰ پوچھو۔

عاشقوں کی بز غم، ان کا نعرہ مستانہ اور ان کی صدائوں کی اہمیت
ساقیا تنگدل از شورشِ مستان نشوی
خود تو انصاف بدہ ایں ہمہ ہنگامہ کہ بست
"ابوے گل خود بہ چمن را نما شد ز نخست
ورنه بلبل چہ خبرداشت کہ گزارے ہست
اے ساقی، محبوب کے لئے بے قابو ہو کر نعرہ مستانہ لگانے والے نیم مجد و بیوں اور زندہ دلوں
کی بے تابانہ ادائوں سے تنگ دل نہ ہو، تم خود ہی فیصلہ کرو کہ عاشقوں کا یہ جگہ اور نعرہ مستانہ کی یہ

نے اس سلسلہ میں ایک اثر دھے کی مثال پیش کی ہے کہ ایک بہت بڑا اثر دھا کھیت میں مر اپڑا ہوا تھا، سخت سردی تھی اور موسم آسودہ تھا، کسانوں نے اسے بیل گاڑھی میں رکھ کر تماشہ کے لئے قصبه کے چوک میں رکھ دیا۔ اتنے بڑے اثر دھے کو دیکھنے کے لئے تماشہ بین کا ہجوم جمع ہو گیا۔ اتنے میں سورج کی روشنی ظاہر ہوئی۔ اثر دھا جو سردی سے ٹھੜھر کر موت کی مثل ہو گیا تھا، اب اس نے کروٹ لینا شروع کی، اس کی کروٹ لیتے ہی لوگ خوف کی وجہ سے بھاگنا شروع ہو گئے، مولانا نے کہا ہے کہ مجاہدوں سے نفس کی حالت بھی یہی ہوتی ہے۔ وہ مرتا نہیں، بلکہ ذکر کے مجاہدوں سے وہ بُری طرح مصلح ہو جاتا ہے۔ اگر مجاہدوں کا یہ سلسلہ بالکل ختم ہو گا تو یہ پھر از سر نوا بھرن اشروع ہو گا۔

ذہنی غلامی سے موت کا بہتر ہونا

زاں پیش کہ کس ترا بدستار دهد
مردن بکنارِ شاخسارے خوشتر
کسی کی ذہنی غلامی قبول کرنے اور کسی کی دستار میں اپنے آپ کو پابند سلاسل کرنے سے بہتر ہے کہ فرد موت قبول کر لے۔ یہاں عارف شاعر ذہنی غلامی اور تقیدِ محض کی عمومی روشن (جس کی وجہ سے فکر کی راہیں بند ہوتی ہیں اور شخصیت پرستی کے بت مخلکم ہوتے ہیں) سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے اسے موت سے بدتر فعل قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ملت میں گروہ بندیوں کا حصہ اور اجتماعی انتشار کا ایک بڑا سبب ذہنی غلامی اور فکری جمود ہی ہے۔

صدائیں اور بزمِ عشق کا یہ اہتمام اور یہ ہنگامہ آخر کس نے کھڑا کیا ہے؟ پھول کی خوبی وجہ سے چمن کا راستہ اس نے خود ہی تو دکھایا ہے۔ درنہ بُلبل کو کیا معلوم کر گزار بھی موجود ہے۔ دل کا چمن اللہ کی محبت اور اس کا عشق ہی ہے، یہ چمن اس فرد کے لئے ہی کھلتا ہے، جس کے دل کی، اخذ انوارِ الہی کی صلاحیتیں بیدار ہیں، دل کی بیداری کے نتیجہ میں بزمِ عشق میں شرکت کے راستے والوں جاتے ہیں، ایسے افراد کے ساتھ فضلِ الٰہ شامل ہو کر اپنی دامنِ رحمت میں لے لیتا ہے۔
دریائے نفس میں مگر مچھوں کے وجود کا موجود ہونا

بلطے می گفت بحر آزاد گردید
چنیں فرمائ ز دیوان خضر رفت
سنگے گفت رو ہر جا کہ خواہی
ولے از ما نباید بے خبر رفت

بنخنے کہا کہ اب سمندر آزاد ہو گیا ہے، سمندر کی آزادی کا یہ اعلانِ خضر کے دربار سے جاری ہوا ہے۔ مگر مچھ نے معاکہہ کہ تم جہاں چاہو جاسکتے ہو، مگر تمہیں ہمارے نظرے سے بے خبر ہرگز نہ ہونا چاہئے۔

یہاں عارف شاعر نے سلوک طے ہونے کے بعد دریائے نفس کی، مگر مچھوں سے آزادی کی نوید سنائی ہے، تاہم نفس میں موجود مگر مچھوں کی سرکشی کے خاتمہ کے باوجودِ قائم رہتا ہے، ان مگر مچھوں سے آخر وقت تک بے نیاز اور بے پرواہ نہ ہونا چاہئے۔

نفس کا گر مچھ کتنا ہی مصلح ہو جائے، تاہم وہ زندہ ہوتا ہے، ذکر کے مجاہدوں نے اس کی سرکشی اور خونواری کی صلاحیت مصلح کر دی ہے۔ اگر سلوک کی تکمیل کے بعد ذکر و فکر کے روزانہ کے کچھ نہ کچھ معمولات کا سلسلہ قائم نہ ہو گا تو نفس کا یہ مگر مچھ پھر سے تو انہوں جائے گا۔ مولانا وہی

دل کو حسد و کینہ سے بھرنا ہرگز زیبانہیں

طااقت عفو در تو نیست اگر
خیز و بادشمنا در آ به ستیز
سینہ را کارگاہ کینہ مساز
سر کہ در انگین خوش مریز

اگر تیر اظرف بلند نہیں ہے۔ اس میں برداشت کرنے کی استعداد موجود نہیں ہے، تو تمہیں
چاہئے کہ اٹھ کر اپنے مخالفوں سے بدالہ لے لو۔ دل کو حسد، کینہ اور بغض سے بھرنا یہ ہرگز زیبانہیں۔
حسد اور کینہ سے دل کی پاکیزگی اور اس کے اخذ حسن کی صلاحیت متاثر ہو کر مفلوج ہو جاتی ہے۔

گلاب سے پھول چنے وقت کا نئے کی ضرب پر چنچ پکارنہ کرنا

اے کہ گل چیدی منال از نیش خار
خار ھم می روید از باد بہار

گلاب سے پھول چنے وقت کا نئے کی ضرب پر چنچ پکارنہ کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ کائنات بھی اس
باہمار سے ہی پھوٹ کر نکلتا ہے۔

یہاں عارف شاعر تاکید کرتے ہیں کہ اللہ کی محبت میں داخل ہوتے وقت ذکر و فکر کے وقت
جہاں جنت کے پھول چنے کی سعادت عظیمی حاصل ہوتی ہے، وہاں اگر جلالی تجلی سے قبض وہیت
و بے چینی کی صورت پیدا ہو تو اسے برداشت کرنا چاہئے۔ اور اس کی شکوه شکلیت نہیں کرنی چاہئے۔

ساکانِ راہ محبت کو طویل عرصہ تک قبض و بے چینی سے واسطہ پڑتا ہے۔ قبض و بے چینی اس
راہ کے لوازمات میں سے ہے۔ بے چینی کے وقت ساکن کے دل میں تاریکی چھا جاتی ہے، اسے کچھ
سبھائی نہیں دیتا کہ وہ کیا کرے کیا نہ کرے، لیکن اس قبض سے مقصود ساکن کے ظرف میں وسعت
پیدا کرنا، اس کی صبر و برداشت کی قوت میں اضافہ کرنا اور اپنی حقیقت سے آشنا کر کے، اسے عجز
وانصاری کے مراحل طے کر کے، منکر امراض بنانا ہے۔ اس لئے بے چینی کے وقت ساکن کو حد
درجہ مضطرب ہو کر اپنے آپ کو عجبہ نہیں بنانا چاہئے۔